(بریلوی قدس سرہٗ العزیز)

یادِ اعلیٰ حضرت

تالیف: محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی

مکتبہ قادریہ
جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور

یادِ اعلیٰ حضرت

(بریلوی قدس سرہٗ العزیز)

محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی

مع رسالہ مبارکہ

فضل العلم والعلماء

از افادات امام المتکلمین رئیس المدققین مولانا نقی علی خاں والد ماجد
اعلیحضرت بریلوی قدس سرہما

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

۱۵/۰۰



کتاب	یادِ اعلیٰحضرت
تصنیف	محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی
ناشر	حافظ نثار احمد
مطبع	
سنِ اشاعت	۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء
	[illegible] روپے

ملنے کا پتہ :

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری گیٹ لاہور (۸)

منقبت

بحضورِ اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ

نتیجۂ فکر

حسانِ پاکستان جناب محمد اعظم صاحب چشتی مدظلہٗ

پرتوِ نورِ ازل ہے روئے تابانِ رضا !
سایۂ جنت ہے زلفِ عنبر افشانِ رضا

رو کشِ مشکِ ختن ہے بوئے بستانِ رضا
رشکِ طوبےٰ ہے ہر اک نخلِ گلستانِ رضا

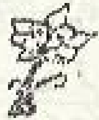
علم و حکمت کو کیا جس نے شناسائے جنوں
ہے وہ فیضانِ رضا واللہ فیضانِ رضا

راہ پاتے ہیں یہیں سے رہروانِ کوئے دوست
جا کے ملتی ہے حرم سے کوئے ایوانِ رضا

دشت بھی سیراب کر ڈالے ترے فیضان نے
میرے دل پر بھی برس اے ابرِ بارانِ رضا

میں اٹھوں گا حشر میں بھی ان کے مداحوں کے ساتھ
مر کے بھی ہاتھوں سے چھوٹے گا نہ دامانِ رضا

اک جہاں ہے انکے الطافِ کرم سے مستفیض
ایک اعظمؔ ہی نہیں ممنونِ احسانِ رضا !



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

امامِ اہلسنّت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

از حضرت مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی قادری رضوی میرٹھی

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو

غریقِ بحرِ اُلفت مستِ جامِ بادۂ وحدت
محبِّ خاص منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہلِ طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو

یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہلِ قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

مزیّن جس سے ہے تاجِ فضیلت تاج والوں کا
وہ لعلِ پرضیا تم ہو وہ دُرِّ بے بہا تم ہو

عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جسکی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو

ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں
وہ قطبِ وقت اے سرخیلِ جمع اولیا تم ہو

عیاں ہے شانِ صدّیقی تمہاری شانِ تقویٰ سے
کہوں کیونکر نہ اتقیٰ جبکہ خیر الاتقیا تم ہو

جلال و ہیبتِ فاروقِ اعظم آپ سے ظاہر
عدو اللہ پر اک حربۂ تیغِ خدا تم ہو

اشدّاءُ علی الکفار کے ہو سر بسر مظہر
مخالف جس سے تھرائیں وہی شمشیرِ دغا تم ہو

تمہیں نے جمع فرمائے نکات و رمزِ قرآنی!
یہ ورثہ پانے والے حضرتِ عثماں کا تم ہو

خلوصِ مرتضیٰ خُلقِ حسن عزمِ حسینی میں
عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو

تمہیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں
امامِ اہلسنت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے
بھکاری کی بھرو جھولی، گدا کا آسرا تم ہو

وفی اموالہم حق ہر اک سائل کا حق ٹھہرا
نہیں پھرتا کوئی محروم، ایسے باسخا تم ہو

علیمِ خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانے کا!
کرم فرمانے والے حال پر اُسکے شہا تم ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

یہ طے شدہ بات ہے کہ قوموں کا ارتقا اور استحکام سلف کے کارناموں سے واقفیت حاصل کر کے ان کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ملت کے نونہال، اسلام کے جلیل القدر فرزندوں کی سیرت سے آشنا ہو کر ہی نیا ولولہ، عزم و ہمت۔ اور کامیابی کا راستہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اکابر کی سیرت کے نقوش جسقدر دل کی گہرائیوں میں اترتے جائیں گے : اسی قدر کامرانی کی منزلیں آسان ہوتی چلی جائیں گی، اور عظیم شخصیتوں کے کارناموں کا تصور جس قدر دھندلا جائیگا۔ اتنا ہی مقصد کا حصول مشکل ہوتا جائے گا۔ افسوس! کہ اہل سنت وجماعت نے اس طرف پوری توجہ نہ دی - بڑے بڑے فضلا گزر گئے — لیکن آج نئی پود ان کے عظیم کارناموں سے بالکل بے خبر ہے۔ بیگانوں سے یہ توقع کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتی کہ وہ ان جلیل القدر ہستیوں کی علمی اور دینی خدمات کو منظرِ عام پر لائیں گے یا ان کے بارے میں کلمۂ خیر نوکِ قلم پر آنے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہے کہ جمعیت علمائے سرحد پاکستان اس سلسلے میں مصروف عمل ہے۔ خدا کرے کہ ہماری ناچیز کوششیں پایۂ تکمیل تک پہنچیں؛ اور شرف قبولیت حاصل کریں۔ اللہ تعالےٰ جمعیت کے تمام اراکین اور معاونین کو جزائے خیر دے۔ جو اس کارِ خیر میں پُر جوش بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ یہ در اصل انہی حضرات کے خلوص کا نتیجہ ہے۔ کہ بفضلہٖ تعالیٰ جمعیت کامیابی کی راہ پر گامزن ہے۔

اس دفعہ ہم آپ کے سامنے تحقیق و تدقیق کے بادشاہ، شریعت و طریقت آگاہ۔ امام اہل سنت اس صدی کے مجدد مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز کے مختصر حالات آپ کے پچاسویں عرس کے موقعہ پر پیش کرنے کی

سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے علماء و فضلاء اور مشائخ کے حالات کو منظر عام پر لانے کی توفیق نصیب ہو۔ السعی منا والاتمام من اللہ تعالیٰ جل مجدہ؛

نوٹ: یاد اعلیٰ حضرت کے ساتھ رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ "فضل العلم والعلماء" بھی شامل ہے؛

محمد عبد الحکیم شرف قادری لاہوری

پاسبانِ سنتِ خیر الانام

منقبت اعلیٰحضرت مجددِ دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی شان میں

(نتیجۂ فکر: مولانا محمد بخش قتیلؔ مسلم بی اے، لاہور)

مرحبا احمد رضا مخدوم ما! — اہلِ سنت را امام باصفا
گم رضائش در رضائے مصطفےٰ — زاں سبب شد نام او احمد رضا
مذہبش تبلیغ حمد کبریا! — مشربش تلقینِ نعت مصطفےٰ
متقی، صوفی، ولی لاریب فیہ — مفتیٔ دینِ مبیں یکتا فقیہ
حبِ محبوبِ خدا اسلام او — دین او ایمان او پیغام او
ترجمانِ علم و عرفانِ رسول — جاں فدائے عظمت و شانِ رسول
پاسبانِ سنتِ خیر الانام — شاہکارش حفظ ایمانِ عوام
قدرت او را بہر تجدید اگزید — او مجدد بود در عہدِ جدید!
دین زندہ شد ز تعلیماتِ او! — علم تابندہ ز تصنیفاتِ او!

پُرفتن ماحول

تقریباً ہر دور میں ایسے لوگ بکثرت پائے گئے ہیں جنہوں نے حق کی مخالفت کی اور باطل کی پشت پناہی کی، لیکن ان کا طریق کار مختلف رہا ہے۔ کسی نے کھل کر باطل کا پرچار کیا، اور حق کی مخالفت کی — تو کسی نے اہلِ اقتدار کا دامن تھام کر اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ ایسے لوگ بھی کچھ کم نہیں ہوئے جنہوں نے اہلِ حق کا لبادہ اوڑھ کر اپنی اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جدوجہد کی۔ غرض یہ سلسلہ بہت دیر سے شروع ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

لیکن مردانِ حق کی کوششوں نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے عزائم کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کی پُرخلوص مساعی جمیلہ نے فریب کاروں کے گھناؤنے عزائم کا پردہ چاک کر کے بروقت سیدھے سادے مسلمانوں کا تعلق مدنی تاجدار احمد مختار نبی کریم رؤف و رحیم صلے اللہ علیہ وسلم سے مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ یہ حضرات داد و تحسین یا طعن و تشنیع سے قطعاً ماورا ہو کر عوام و خواص کو دینِ متین دینِ اسلام کی تعلیمات کی یاد دہانی کراتے رہے۔

اہلِ اسلام کے انہی عظیم محسنوں اور راہنماؤں میں امامِ اہلسنت موجودہ صدی کے مجدد اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے اس دعوے کی تائید مایۂ ناز محدث استاذ المحدثین مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ[1] آپ کے شاگرد رشید مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کی کہ حضرت! آپ تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید ہیں

---

[1] سوانح اعلیٰحضرت ص۱۳۷، ۱۲۸ از مولانا بدر الدین احمد قادری حیات اعلیٰحضرت ص۲۵ از مولانا ظفر الدین بہاری

لیکن آپ کو جتنی محبت وعقیدت اعلیٰحضرت امام احمد رضا سے ہے اور کسی سے نہیں — اعلیٰحضرت کی یاد، ان کے علم وفضل کا خطبہ آپ کی زندگی کے لئے روح کا مقام رکھتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت محدث سورتی نے فرمایا کہ "سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں، جو میں نے مولوی اسحٰق صاحب محشی بخاری سے پائی — سب سے بڑی نعمت وہ بیعت نہیں ہے جو مجھے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے حاصل ہوئی۔ بلکہ سب سے بڑی دولت، اور سب سے بڑی نعمت وہ ایمان ہے جس کو میں نے اعلیٰحضرت سے پایا۔ میرے سینے میں پوری عظمت کے ساتھ مدینہ کے بسانے والے اعلیٰحضرت ہی ہیں۔ اس لئے ان کے "تذکرے سے میری روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ میں ان کے ایک ایک کلمے کو اپنے لئے مشعلِ ہدایت جانتا ہوں۔

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت بریلی شریف محلہ جسولی (جہاں پہلے آپ کا آبائی مکان تھا) میں ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء ہفتے کے دن ظہر کے وقت ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام المختار ہے۔ حضور نے اپنا سن ولادت حسب ذیل آیۂ کریمہ سے نکالا :

۷۲ ھ ۱۲

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ

"یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں میں اللہ تعالےٰ نے ایمان نقش فرمادیا، اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے ان کی مدد فرمائی"

حسنِ اتفاق کہ اسوقت سورج منزلِ غفر میں تھا جو اہلِ نجوم کے نزدیک بہت ہی مبارک ساعت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دنیا، مزار، حشر جہاں ہیں غفور ہیں
ہر منزل اپنے ماہ کی منزل غفر کی ہے

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالےٰ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے

جائیں، تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا، لا الٰہ الا اللہ — اور دوسرے پر لکھا ہوگا "محمد رسول اللہ۔ (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور بحمد اللہ تعالیٰ ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح وظفر حاصل ہوئی۔ رب العزۃ جل جلالہٗ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے آباؤ اجداد قندھار کے باعظمت قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے وہ شاہانِ مغلیہ کے دور میں لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا۔ پھر وہاں سے دہلی آئے، اور معزز عہدوں پر فائز رہے۔ چنانچہ حضرت محمد سعید اللہ صاحب ششش ہزاری عہدہ پر فائز تھے اور شجاعت جنگ آپ کا خطاب تھا۔ انکے صاحبزادے سعادت یار خاں صاحب کو حکومت کی طرف سے ایک مہم سر کرنے کے لئے بریلی روہیلکھنڈ بھیجا گیا۔ فتحیابی پر ان کو بریلی کا صوبہ بنانے کے لئے شاہی فرمان آیا، لیکن وہ ایسے وقت آیا، جب آپ بستر مرگ پر تھے۔

اعلیٰحضرت کا شجرہ نسب کچھ اسطرح ہے۔ عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں ابن حضرت مولانا محمد نقی علی خاں ابن حضرت مولانا رضا علی خاں — ابن حضرت مولانا محمد کاظم علی خاں، ابن حضرت مولانا شاہ محمد اعظم خاں ابن حضرت محمد سعادت یار خاں ابن حضرت سعید اللہ خاں رحمہم اللہ تعالیٰ

اعلیٰحضرت کے جدِ امجد مولانا رضا علی خانصاحب قدس سرہما

قدوۃ الواصلین زبدۃ الکاملین قطب الوقت حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختصر تذکرہ مولانا رحمان علی خانصاحب نے "تذکرہ علمائے ہند فارسی صفحہ ۶۴" میں اس طرح بیان کیا ہے : (فارسی عبارت کا ترجمہ یہ ہے)

"مولانا رضا علی خاں صاحب بریلوی بن محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں ابن محمد سعادت یار خاں بہادر۔ بریلی ملک روہیل کھنڈ کے بزرگ ترین علمائے کرام اور قوم افغان بڑھیچ سے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں بڑے بڑے عالی مرتبہ منصب ششش ہزاری پر فائز تھے۔ مولانا رضا علی خانصاحب ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے، اور شہر ٹونک میں مولوی

خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم سے علوم درسیہ حاصل کر کے ۲۳ سال کی عمر میں ۱۲۴۷ھ کو سند فراغ حاصل کر کے مشارٌ الیہ اماثل واقران ومشہورِ اطراف وزمان ہوئے۔ خصوصاً علم فقہ وتصوف میں کامل مہارت حاصل فرمائی۔ بہت پُراثر تقریر فرماتے تھے۔ آپ کے اوصاف شمار سے باہر ہیں خصوصاً کلام کی لطافت، سلام کی سبقت، زہد وقناعت، علم وتواضع تجرید وتفرید کو آپ کی خصوصیات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ۲ر جمادی الاول ۱۲۸۲ھ میں اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔" (رضی اللہ عنہ)

مولانا رضا علی خاں قدس سرہٗ کی چند ایک کرامات :

ایک دفعہ آپ کا گزر محلہ ستیارام کی طرف ہوا۔ ہندوؤں کے تہوار ہولی کا موقعہ تھا ایک ہندو بازاری عورت نے اپنے بالاخانے سے آپ پر رنگ پھینک دیا۔ یہ دیکھتے ہی ایک جوشیلے مسلمان نے بالاخانے پر جاکر اسے سزا دینے کا ارادہ کیا۔ مگر آپ نے اسے روک دیا، اور فرمایا: بھائی اس پر کیوں سختی کرتے ہو۔ اس نے مجھ پر رنگ پھینکا ہے خدا اسے رنگ دے گا۔ یہ فرمانا تھا کہ وہ بازاری عورت بے تابانہ آکر قدموں میں گر پڑی اور معافی مانگنے لگی اور اسی وقت مشرف باسلام ہوگئی۔ حضرت نے اسی نوجوان کے ساتھ اس کا عقد کر دیا۔

فتنہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو انہوں نے مسلمانوں پر وہ ستم ڈھائے کہ خدا کی پناہ۔ لوگ خوف وہراس کی وجہ سے بیحد پریشان تھے۔ بیشتر لوگ اپنے مکانات چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے لیکن حضرت مولانا رضا علی خاں قدس سرہٗ اپنے مکان پر تشریف فرما رہے اور باقاعدہ پانچ وقت نماز مسجد میں جماعت سے ادا فرماتے، ایک دفعہ حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اُدھر سے انگریز فوجیوں کا گزر ہوا۔ اس خیال سے کہ مسجد میں کوئی ہوگا، تو اسے پکڑ کر زدوکوب کیا جائے۔ مسجد میں گھوم پھر کر دیکھا مگر کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ کہنے لگے یہاں تو کوئی بھی نہیں۔ حالانکہ حضرت مسجد ہی میں تشریف فرما تھے

اللہ تعالیٰ نے اپنے قدرت کاملہ سے انھیں اندھا کر دیا، کہ وہ حضرت کو دیکھ نہ سکے۔

خطبہ علمی جو اکثر شہروں اور دیہاتوں میں پڑھا جاتا ہے۔ حضرت مولانا رضا علی خاں قدس سرہٗ کے شاگرد و مرید حضرت علامہ مولانا محمد حسن صاحب علمی کا لکھا ہوا ہے۔ یہ خطبہ حضرت کی نظر انور سے گذرا ہوا ہے۔ اس خطبے کے آخر میں حضرت مصنف کی طرف سے یہ عبارت درج ہے:

"اس مؤلف عاصی محمد حسن علمی کو امیدواری جناب باری عزّ اسمہ سے یہ ہے کہ اپنے فضل عمیم او رطفیل رسول کریم ملقب بہ انک لعلیٰ خلق عظیم کے ہم سب مومنین کو بعفو جرائم وعصیان اور فیضانِ توفیق واحسان سے عزت بخشے اور ہمارے مرشد ومولیٰ عالم علم ربانی مقبولِ بارگاہِ یزدانی مخزن اسرار معقول و منقول کاشف استار فروع واصول مطلع العلوم مجمع الفہوم عالم باعمل فاضل بے بدل منبع الاخلاق منہل الاشفاق مصدر احسان مظہر امتنان مولانا ومخدومنا لوذعی زمان مولوی رضا علی خان کو بیچ دونوں جہان کے رحمت خاصہ میں اپنی رکھ کر اقصیٰ مراتب قبولیت کو پہنچائے۔ آمین یا رب العالمین

اعلیٰحضرت کے والدِ ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں قدس سرہٗ

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجد کے رسالۂ مبارکہ "جواہر البیان فی اسرار الارکان" مطبوعہ مطبع حسنی محلہ سوداگران کے آخر میں والد ماجد کے حالات قلم بند فرمائے ہیں۔ ہم انہیں الفاظ مبارکہ کو تبرکاً نقل کرتے ہیں:

"وہ جناب فضائل مآب تاج العلماء راس الفضلاء حامی سنت ماحی بدعت بقیۃ السلف حجۃ الخلف رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ فی اعلیٰ غرف الجنان سلخ جمادی الاخریٰ یا غرۂ رجب بارہ سو چھیالیس (۱۲۴۶ھ) کو رونق افزائے دارِ دنیا ہوئے۔ اپنے والد ماجد مولانائے اعظم حبر معظم فضائل پناہ۔ عارف باللہ صاحب کمالات باہرہ وکرامات ظاہرہ حضرت مولانا مولوی رضا علی خان

صاحب روح اللہ روحہٗ و نور ضریحہٗ سے اکتساب علوم فرمایا۔ بحمد اللہ منصب شریف علم کا پایہ۔ ذروۂ علیا (انتہائی بلندی) کو پہنچا ع

راست می گویم و یزداں نہ پسند دجز راست

(سچ کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سچ ہی کو پسند فرماتا ہے۔")

جو وقت انظار و حدت افکار، فہم صائب و رائے ثاقب حضرت حق جل و علا نے انہیں عطا فرمائی۔ ان دیار و امصار میں اسکی نظیر نظر نہ آئی۔ فراست صادقہ کی یہ حالت تھی، کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا۔ وہی ظہور میں آیا۔ عقل معاش و معاد (دنیا و آخرت دونوں کی سمجھ) کا بر وجہ کمال اجتماع بہت کم سنا۔ یہاں آنکھوں دیکھا۔ علاوہ بریں سخاوت و شجاعت، علو ہمت، کرم و مروت، صدقات خفیہ، مبرات جلیہ، بلندیٔ اقبال و دبدبۂ و جلال، مواساۃ فقراء، امر دینی میں عدم مبالات باغنیاء، حکام سے عزلت، رزق موروث پر قناعت وغیرہ ذالک فضائل جلیلہ و خصائل جمیلہ کا حال وہی جانتا ہے۔ جس نے اس جناب کی برکت صحبت سے شرف پایا۔ ع

ایں نہ بحریست کہ در کوزۂ تحریر آید

(یہ وہ دریا نہیں جو کوزے میں سما سکے")

مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ذات گرامی کو خالق عز و جل نے حضرت سلطانِ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ کی غلامیٔ و خدمت اور حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعدا پر غلظت و شدت کے لئے بنایا تھا۔ بحمد اللہ ان کے بازوئے ہمت و طنطنۂ صولت نے اس شہر کو فتنۂ مخالفین سے یکسر پاک کر دیا، کوئی اتنا نہ رہا کہ سر اٹھائے یا آنکھ ملائے۔ یہاں تک کہ شعبان ۱۲۹۲ھ کو مناظرۂ دینی کا عام اعلان مسمیٰ بنام تاریخی ۱۲ ۵ ۹۲ اصلاح ذات بین (باہمی امور کی اصلاح) طبع کرایا، اور سوائے مہر سکوت یا عار فرار و غوغائے جہال و عجز و اضطرار کے کچھ جواب

نہ پایا۔

فتنۂ شش مثل (یعنی بقیہ چھ زمینوں پر حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی چھ مثالوں کے ہونے کا قول) کا شعلہ کہ کب سے سر بفلک کشیدہ تھا اور تمام اقطار ہند میں اہل علم اسکے اطفا پر عرق ریز و گرویدہ تھے، اس جناب کی ادنیٰ توجہ سے بحمد اللہ سارے ہندوستان سے ایسا فرو ہوا، کہ جب سے کان ٹھنڈے ہیں۔ اہل فتنہ کا بازار سرد ہے۔ خود ان کے نام سے جلتے ہیں۔ مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت روز ازل سے اس جناب کے لئے ودیعت تھی۔ جسکی قدرے تفصیل "تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال" میں مطبوع ہوئی۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

تصانیف شریفہ اس جناب کی سب علوم دین میں نافع مسلمین، دافع مفسدین والحمد للہ رب العالمین — از آنجملہ

(۱) الکلام الاوضح فی تفسیر شرح الم نشرح کہ مجلد کبیر ہے۔ علوم کثیرہ پر مشتمل ہے۔ (سورہ الم نشرح کی تفسیر)

(۲) وسیلۃ النجات جس کا موضوع ذکر حالات سید کائنات ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجلد وسیط

(۳) سرور القلوب فی ذکر المحبوب کہ مطبع نولکشور سے چھپی۔ (وسیلۂ نجات کا خلاصہ ہے)

(۴) اور یہ کتاب مستطاب[1] "جواہر البیان فی اسرار الارکان" (نماز، روزہ وغیرہ ارکان دین کے بیان میں) جس کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ع

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نچشی

(بخدا اس پاک اور حلال شراب کی لذت چکھے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی)

---

[1] یہ کتاب بفضلہ تعالےٰ عنقریب مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ (مشرف لاہوری)

فقیر غفر اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اسکے ڈھائی صفحوں کی شرح میں ایک رسالہ مسمی بہ "زواہر الجنان من جواہر البیان" الملقب بلقب "سلطنت مصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ" تالیف کیا۔

(۵) اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد (فساد کی بنیادیں ہلا دینے کے لئے ہدایت کے اصول) جسمیں وہ قواعد ایضاح و ثابت فرمائے۔ جنکے بعد نہیں مگر سنت کو قوت اور بدعت نجدیہ کو موت و حسرت

(۶) ہدایۃ البریہ الی الشریعۃ الاحمدیہ کہ دس فرقوں کا رد ہے۔ یہ کتابیں مطبع صبح صادق سیتاپور سے منطبع ہوئیں۔

(۷) اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام انشاء اللہ العزیز عنقریب طبع ہوگی (پہلی بار مطبع اہلسنت وجماعت بریلی میں مع شرح اعلیحضرت مسمی بہ "رشاقۃ الکلام فی شرح اذاقۃ الاثام" طبع ہو کر شائع ہوئی مدت سے ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا)

(۸) ازالۃ الاوہام ردِ نجدیہ (۹) تزکیۃ الایقان رد تقویۃ الایمان

(۱۰) فضل العلم والعلماء (اسے یادا علیحضرت کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے)

(۱۱) احسن الوعاء لآداب الدعاء (یہ رسالہ بھی مع شرح و اضافات اعلیحضرت مسمی بہ "ذیل المدعاء لاحسن الوعاء" مطبع اہلسنت وجماعت بریلی میں شائع ہو چکا ہے)

(ان کے علاوہ اعلیحضرت قدس سرہٗ نے اور رسائل کے اسماء بھی ذکر کئے۔ مجموعی طور پر پچیس رسائل ہیں۔ اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ شرف لاہوری

ان کے سوا، اور تصانیف شریفہ کے مسودے بستوں میں ملتے ہیں۔ مگر منتشر جنکے اجزا اول، آخر یا اوسط سے گم ہیں۔ ان کے بارے میں حسرت و مجبوری ہے۔ غرض عمر اس جناب کی ترویج دین وحمایت مسلمین ونکایت اعداء و حمایت مصطفیٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گزری۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام

والمسلمین خیر الجزاء۔ آمین!

پنجم جمادی الاخریٰ ۱۲۹۴ھ کو مارہرہ مطہرہ میں دست حق پرست حضرت آقائے نعمت، دریائے رحمت، سید الواصلین، سند الکاملین، قطب اوانہ، امام زمانہ حضور پر نور سیدنا و مرشدنا مولانا و ماوٰنا ذخری لیومی و غدی حضرت سیدنا سید شاہ آل رسول احمدی تاجدار مارہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ و ارضاہ و افاض علینا من برکاتہ و نعماہ پر شرف بیعت حاصل فرمایا۔ حضور پر نور مرشد برحق نے مثال خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث عطا فرمائی۔ یہ غلام ناکارہ بھی اسی جلسہ میں اس جناب کے طفیل ان برکات سے شرف یاب ہوا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

چھبیس شوال ۱۲۹۵ھ کو باوجود شدت علالت وقوت ضعف خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص طور پر بلانے کے سبب کہ من رآنی فی المنام فقد رآنی رواہ الامام احمد والبخاری والترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یعنی جس نے خواب میں میری زیارت کی، اس نے درحقیقت میری ہی زیارت کی) عزم زیارت و حج مصمم فرمایا یہ خادم اور چند اصحاب و خدام ہمراہ رکاب تھے۔ ہر چند احباب نے عرض کی کہ علالت کی یہ حالت ہے آئندہ سال ملتوی فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازہ سے باہر رکھ لوں، پھر چاہے روح اسی وقت پرواز کر جائے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی۔ بلکہ وہ مرض ہی خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک آبخورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ من رآنی فقد رای الحق رواہ احمد والشیخان عن ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حد منع پر نہ رہا۔

وہاں حضرت اجل العلماء اکمل الفضلاء حضرت سیدنا احمد زینی دحلان شیخ الحرم وغیرہ علماء مکہ معظمہ سے مکرر سند حدیث حاصل فرمائی۔ سلخ ذیقعدہ

روز پنجشنبہ وقت ظہر ۱۲۹۷ھ ہجریہ قدسیہ کو اکاون برس پانچ مہینہ کی عمر میں بعارضہ اسہال دموی شہادت پاکر شب جمعہ اپنے والد ماجد صاحب قدس سرہ العزیز کے کنار میں جگہ پائی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

روزِ وصال نماز صبح پڑھ لی تھی۔ اور ہنوز وقت ظہر باقی تھا کہ انتقال فرمایا۔ نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کئے متواتر سلام فرماتے تھے جب چند انفاس باقی رہے۔ ہاتھوں کو اعضاء وضو پر یوں پھیرا، گویا وضو فرما رہے ہیں۔ یہاں تک کہ استنشاق بھی فرمایا۔ سبحان اللہ! وہ اپنے طور پر حالت بے ہوشی میں نماز ظہر بھی ادا فرما گئے جس وقت روح پرفتوح نے جدائی فرمائی فقیر سرہانے حاضر تھا واللہ العظیم ایک نور ملیح علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اٹھ کر برق تابندہ کی طرح چہرہ پر چمکا اور جس طرح لمعانِ خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے۔ یہ حالت ہو کر غائب ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی۔ پچھلا کلمہ کہ زبان فیض ترجمان سے نکلا تھا لفظ اللّٰہ تھا اور سب سے آخر تحریر کہ دست مبارک سے ہوئی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تھی کہ انتقال سے دو روز پہلے ایک کاغذ پر لکھی تھی۔ بعدہٗ فقیر نے حضور پیر و مرشد برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رؤیا (خواب) میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد قدس سرہ الماجد کے مرقد شریف پر تشریف لائے۔ غلام نے عرض کیا۔ حضور یہاں کہاں؟ او لفظا هذا معناه (یا اسی جیسا کوئی اور لفظ) فرمایا۔ آج سے یا اب سے یہیں رہا کریں گے رحمھما اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

(اس کے بعد اعلیٰحضرت قدس سرہ نے والد ماجد کی وفات کے کئی تاریخی مادے ذکر فرمائے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے)

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا بچپن اور تعلیمی زندگی

بسم اللہ خوانی کی تاریخ معلوم نہ ہوسکی۔ تاہم جب استاذ محترم نے حسب قاعدہ آپکو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الف، باء، تاء، ثاء پڑھایا تو آپ پڑھتے چلے گئے۔ جب لام الف (لا) کی باری آئی تو آپ خاموش ہوگئے۔ استاذ نے دوبارہ پڑھنے کیلئے کہا، تو آپ پھر بھی خاموش رہے، بلکہ فرمایا کہ یہ دونوں لفظ تو اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔ آپ کے جد امجد مولانا رضا علی خاں صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا: بیٹا استاذ کا کہا مانو۔ چنانچہ آپ نے جد امجد کے حکم کی تعمیل کی لیکن اپنے جد امجد کے چہرہ انور کیطرف سر اٹھا کر دیکھا۔ حضرت نے فراست ایمانی سے سمجھ لیا کہ بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ کا بیان ہے اس میں (لا) حرف مرکب کیسے آگیا۔ حضرت نے آپکی ارجمندی کے پیش نظر فرمایا کہ الف چونکہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن کے ساتھ ابتداء مشکل ہوتی ہے۔ اس لئے اسے دوسرے حرف (لام) کے ساتھ ملا کر لکھا جاتا ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ شروع میں جو تم نے پڑھا ہے وہ درحقیقت ہمزہ ہے الف نہیں۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ اگر الف کو کسی اور حرف کے ساتھ ملانا ہی تھا تو دال یا سین کے ساتھ ملا دیا ہوتا۔ اتنی دور لام کے ساتھ ملانے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جد امجد نے فرطِ محبت سے آپ کو سینے سے لگا لیا، اور فرمایا کہ لام اور الف صورتاً لکھنے میں (لا) بظاہر ایک جیسے ہوتے ہیں اور سیرت میں بھی ان میں خاص مناسبت ہے۔ چنانچہ لام (ل ا م) کا درمیانی حرف الف ہے اور الف (ا ل ف) کا درمیانی حرف لام ہے۔ اس مشابہت اور مناسبت کی وجہ سے دونوں کو ملا کر لکھا جاتا ہے۔

واقفِ حال جانتے ہیں کہ جو بچہ ابتداء ہی اتنا ہونہار اور ارجمند تھا۔ وہ بڑا ہوکر، اگر شریعت میں امام الائمہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ کے قدم بقدم تھا تو طریقت میں حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مظہر کامل بنا۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ اعلیٰحضرت کے پہلے روزے کے افطار کی تقریب

منائی جارہی تھی۔ خاص گرمی کا وقت تھا کہ والد ماجد آپ کو ساتھ لے کر ایک کمرے میں تشریف لے گئے۔ جہاں فرنی کے پیالے چنے ہوئے تھے۔ حضرت والد ماجد نے فرمایا: لو کھالو! آپ نے عرض کی: میرا تو روزہ ہے۔ والد ماجد نے فرمایا: بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں نے کواڑ بند کر دیئے ہیں۔ کوئی دیکھنے والا نہیں۔ چپکے سے کھالو۔ آپ عرض کرتے ہیں: "جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے" یہ سنتے ہی حضرت والد ماجد کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور کمرہ کھول کر آپ کو باہر لے آئے۔

ایک دفعہ مولوی صاحب قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ پڑھا رہے تھے۔ وہ بار بار زبر پڑھاتے مگر اعلیٰحضرت زیر ہی پڑھ رہے تھے۔ آپ کے جدّ امجد قطب وقت مولانا رضا علی خاں صاحب دیکھ رہے تھے۔ آپ نے بلا کر قرآن مجید دیکھا تو واقعی کاتب نے غلطی سے زیر کی بجائے زبر لکھ دی تھی۔ آپ نے فرمایا: جس طرح مولوی صاحب کہتے تھے اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے۔ اعلیٰحضرت نے عرض کی: میں چاہتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں مگر زبان پر قابو نہ تھا۔ حضرت نے فرمایا: خوب! اور تبسم فرما کر سر پر ہاتھ پھیرا، اور دعائیں دیں۔ پھر مولوی صاحب سے فرمایا: بچہ صحیح پڑھ رہا تھا۔ دراصل کاتب نے غلط لکھ دیا تھا اور خود اپنے دست اقدس سے تصحیح فرما دی۔

بار ہا ایسے واقعات پیش آنے کی وجہ سے ایک دن مولوی صاحب نے تنہائی میں آپ سے پوچھا: صاحبزادے سچ سچ بتا دو کہ تم انسان ہو یا جن۔ کسی سے نہیں کہوں گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ میں انسان ہی ہوں لیکن اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم میرے شامل حال ہے۔

بچپن ہی میں حد درجہ سمجھدار اور زیرک تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک بچے نے آکر سلام کیا، تو مولوی صاحب نے جواب میں کہا۔ جیتے رہو۔ اس پر اعلیٰحضرت نے فرمایا کہ یہ سلام کا جواب تو نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہیئے تھا۔ مولوی صاحب سنکر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

بچوں کو پڑھائی کی طرف اتنی توجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ عام طور پر کھیل کود پر زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ مگر اعلیٰحضرت اس کے بالکل برعکس بڑے ذوق و شوق سے پڑھنے کے لئے جاتے۔ حتیٰ کہ جمعہ کے دن بھی پڑھنے کے لئے جانا چاہتے تھے، لیکن والد ماجد کے سمجھانے سے رک گئے اور سمجھ گئے، کہ یہ دن بہت اہمیت رکھتا ہے، اس لئے اس کے علاوہ کچھ دنوں میں پڑھنا چاہیئے۔

صرف پڑھائی نہیں ہے۔ بلکہ نیکی اور دعا و استغفار کی طرف بھی بہت زیادہ میلان پایا جاتا تھا۔ چنانچہ بریلی شریف اخوند زادہ کی مسجد میں ایک مجذوب بشیر الدین صاحب رہا کرتے تھے۔ جو شخص ان کے پاس جاتا، اسے کم از کم پچاس گالیاں دیتے۔ اعلیٰ حضرت کو ان کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ رات کے گیارہ بجے تنہا ان کے پاس چلے گئے اور جا کر فرش پر بیٹھ گئے۔ وہ پندرہ بیس منٹ تو بغور دیکھتے رہے۔ پھر کہنے لگے کہ تم مولوی رضا علی خاں صاحب کے کون ہو۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: میں ان کا پوتا ہوں۔ فوراً اٹھے اور چارپائی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہاں تشریف رکھئے۔ پھر کہنے لگے۔ کیا مقدمہ کے لئے آئے ہو؟ اعلیٰحضرت نے فرمایا۔ مقدمہ تو ہے لیکن میں اس کے لئے نہیں آیا ہوں، میں تو صرف دعائے مغفرت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ چنانچہ مجذوب صاحب آدھ گھنٹہ تک برابر کہتے رہے: اللہ کرم کرے اللہ رحم کرے۔ اتنے میں مولانا حسن رضا خاں صاحب آپ کے منجھلے بھائی تشریف لے آئے اور مقدمے کے متعلق گزارش کی۔ فرمایا مولوی صاحب سے کہہ دینا قرآن شریف میں یہ بھی تو ہے نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب بس دوسرے دن ہی مقدمہ فتح ہوگیا۔

ابتدائی کتابوں کے بعد آپ نے میزان منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھیں۔ اعلیٰ حضرت ان کی بہت ہی تعظیم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی سفارش کو کبھی رد نہ فرماتے تھے۔ لطف یہ کہ بعد میں بعض درسی کتابیں غالباً ہدایہ شریف وغیرہ انہوں نے اعلیٰ حضرت سے پڑھی تھیں۔

اس کے بعد دینیات کی درسی کتابیں اپنے والد ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں صاحب قدس سرہ سے پڑھیں۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت کسی کام کے لئے رامپور تشریف لے گئے۔ وہاں علم ہیئات کے مشہور زمانہ فاضل مولانا عبد العلی صاحب

رامپوری سے شرح چغمینی کے بعض اسباق پڑھے ۔ والد ماجد نے فرمایا ۔ اس میں کیوں وقت صرف کرتے ہو، مصطفےٰ پیارے کی بارگاہ سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے ۔ (حاشیہ تذکرہ نوری از ایوب قادری)

آپ کی ذہانت و ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ کتاب کا چوتھائی حصہ استاذ سے پڑھتے ۔ باقی حصہ خود یاد کر کے سنا دیتے ۔ آپ کی عمر[1] شریف ابھی آٹھ برس کی تھی کہ آپ نے نحو کی مشہور و معروف کتاب "ہدایۃ النحو" پر عربی میں شرح تحریر فرمائی ۔ اعلیٰحضرت طالب علمی[2] کے زمانے میں اصول فقہ کی مشہور اور مشکل ترین "مسلم الثبوت" کا مطالعہ کر رہے تھے، کہ ایک مقام پر والد ماجد مولانا نقی علی خاں قدس سرہ کا اعتراض و جواب نظر سے گزرا، آپ نے حاشیے پر متن کی ایسی تقریر تحریر فرمائی کہ سرے سے اعتراض ہی پیدا نہ ہوتا تھا ۔ پھر جب پڑھنے کے لئے حضرت والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ حاشیے پر پڑ گئی ۔ دیکھ کر اتنی مسرت ہوئی کہ اٹھ کر سینے سے لگا لیا، اور فرمایا: احمد رضا تم مجھ سے پڑھتے نہیں ۔ بلکہ مجھ کو پڑھاتے ہو ۔

علوم دینیہ کی تحصیل سے فراغت

فتویٰ نویسی ـــــ اور تدریس

اعلیٰحضرت قدس سرہ نے صرف تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالےٰ سے کر کے سند فراغت حاصل کی ۔ اسی دن آپ نے ایک سوال کے جواب میں فتویٰ تحریر فرمایا تھا ۔ سوال یہ تھا کہ اگر عورت کا دودھ ناک کے ذریعے بچے کے حلق میں چڑھ گیا تو کیا رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں ۔ آپ نے جواب[3] میں لکھا کہ: "منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے پیٹ میں پہنچے گا، حرمت رضاعت لائیگا

---

[1] سوانح امام احمد رضا ص ۸۹ از مولانا بدرالدین احمد قادری ۱۲
[2] سوانح امام احمد رضا ص ۱۰۵ و حیات اعلیٰحضرت ص ۱۳۷ ۱۲
[3] ملفوظ شریف حصہ اول ۱۲

اسی دن والد ماجد نے مسند افتاء آپکے سپرد کر دی اور تادم زیست آپ فتویٰ نویسی فرماتے رہے ۔

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی کا فتاویٰ رشیدیہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر طور پر جواب میں جائز یا ناجائز کہہ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے ۔ حوالۂ کتب اور دلائل کی بھی چنداں ضرورت نہیں سمجھی ۔ چنانچہ ان سے سوال کیا گیا کہ ذکر بالجہر کا ثبوت آیت و حدیث سے تحریر کریں اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"السلام علیکم ۔ بندہ مفتی ہے مسئلہ حق جو اپنے نزدیک ہوتا ہے اسکو بتانا ہی فرض جانتا ہوں اور مسائل کے دلائل لکھنے کی فرصت نہیں اور وہ واجب نہیں اس کی تحقیق کتب میں ہے اگر علم ہو اسکو دیکھو، ورنہ دلائل سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا"

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۲۳ مبوب جدید مطبوعہ کراچی)

کیا خوب سائل کو بھی تسلی ہو گئی ہوگی کہ اس کے لئے تو گویا مفتی کا قول ہی حجت ہے ۔ دلائل نہیں تو کم از کم اس کتاب کا نام ہی لکھ دیا جاتا ۔ جس میں وہ بے چارا اس مسئلے کو دیکھ لیتا ۔

اعلیٰحضرت کے اکثر و بیشتر فتوے دلائل کا خزینہ ہوتے ہیں جن میں سائل کے اطمینان کا وافر مواد موجود ہوتا ہے ۔ محدث جلیل حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک استفتاء آیا جس میں یہ استفسار تھا کہ آیا مشرقی افق کی جڑ سے سیاہی کے نمودار ہوتے ہی مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے یا جس وقت سیاہی بلند ہو جائے ۔

اعلیٰحضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ سورج کے غروب ہونے سے بہت پہلے سیاہی افق مشرقی سے کئی گز بلند ہو جاتی ہے ۔ مشاہدے سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے ۔ پھر فرمایا: الحمد للہ عجائب قرآن کہیں ختم نہیں ہوتے ۔ ذرا غور سے ایک نظر کیجئے تو آیۂ کریمہ تولج اللیل فی النہار و تولج النہار فی اللیل (اے اللہ تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے) کے مطالع رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں ۔ رات یعنی سایۂ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر عز جلالہ دن میں داخل فرماتا ہے ۔ ہنوز دن باقی ہے ۔ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے ۔ ابھی ظلمت شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی

(کیونکہ ایک چیز کو دوسری میں داخل کرنا دونوں کے موجود ہونے کا تقاضا کرتا ہے نہ یہ کہ ایک ختم ہو جائے اور دوسری اس کے بعد آ جائے۔ دن اور رات اگر اپنے اصلی معنی پر رہیں، تو وہ ایک دوسرے کی ضد ہونے کی وجہ سے جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ضروری ہے، کہ مجازی معنی مراد لیے جائیں۔ وہ اس طرح کہ رات سے مراد رات کی سیاہی لے لی جائے،" شرف لاہوری) فتاویٰ رضویہ صفحہ ۱۹۵ جلد ثانی مطبوعہ بریلی)

حضرت مولانا ابو المحامد سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں[1]؛

چونکہ میں نے حساب کی تعلیم سکول طور پر پائی تھی۔ لہٰذا فرائض حساب کی مشق بڑھی ہوئی تھی اور ایسے استفتاء میرے سپرد فرماتے تھے۔ ایک دفعہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔ ظاہر ہے کہ مورث اعلیٰ کی پندرھویں پشت میں درجنوں ورثاء ہوں گے۔ مجھ کو اسکے جواب میں دو رات اور ایک دن مسلسل محنت کرنی پڑی اور آنہ پائی سے درجنوں ورثاء کے حق کو قلمبند کر دیا۔ نماز عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں۔ وہ بہت طویل تھا۔ فلاں مرا، اور فلاں کو وارث چھوڑا پھر فلاں مرا، اور اس نے اتنے وارث چھوڑے۔ اس میں صرف ناموں کی تعداد اتنی بڑی تھی کہ فل سکیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے۔ جب یہ استفتاء میں پڑھ رہا تھا تو دیکھا کہ اعلیٰحضرت کی انگلیاں حرکت میں ہیں۔ ادھر استفتاء ختم ہوا۔ ادھر بلا کسی تاخیر کے ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا حصہ دیا ہے اور درجنوں نام بنام لوگوں کا حصہ بتا دیا۔ میں حیران و ششدر کہ استفتاء کو بیس مرتبہ تو میں نے پڑھا ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلمبند کیا۔ لیکن مجھ سے صرف سب الاحیاء (زندہ ورثاء) کے نام پوچھے جائیں تو بغیر استفتاء اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا۔ یہ کیا تبحر، کیا وسعت مدارک، توبہ توبہ! یہ کتنی شاندار کرامت ہے کہ ایک بار استفتاء سنا تو درجنوں ورثاء کا ایک ایک نام یاد رہا اور ہر ایک کا صحیح حصہ اس طرح بتا دیا کہ جیسے کئی مہینے تک کوشش کر کے حصہ و نام کو رٹ لیا گیا ہو۔

آپ کی حیرت ناک قوت حافظہ کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے افتاء وغیرہ کی مشغولیت کے باوجود صرف ایک ماہ میں قرآن مجید یاد کر لیا۔ ہوا یوں کہ اکثر لوگ آپکے

[1] مقالات یوم رضا ص ۳

القاب کے ساتھ حافظ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا: ان بندگان خدا کا کہنا غلط نہ ہو، انہیں قرآن مجید یاد ہی کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں عشاء کے وضو کے بعد جماعت تک حافظ صاحب سے ایک پارہ قرآن مجید سن کر دور فرما لیتے۔ اس طرح رمضان شریف کے آخری دن تیسویں پارے کا دور کر رہے تھے۔

اعلیٰحضرت قدس سرہ کے علم و نظر کی پختگی، نگاہ کی جولانی، استدلال کی قوت، تنقید کی شدت اور بے پناہ قوت فیصلہ کا اندازہ ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے آپ کے فتاویٰ کو دیکھ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے فضلاء آپکے مدلل فتویٰ کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

مفتی محمد حسین صاحب نعیمی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور کے سامنے اعلیٰحضرت قدس سرہ کی تجدید کا ذکر چل نکلا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ کے تجدیدی کارناموں کی جھلک فتاویٰ رضویہ جلد اول ہی سے بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ نے فتاویٰ رضویہ جلد اول میں بے شمار ایسی تحقیقات بیان فرمائی ہیں۔ جنکا ذکر بھی دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔

تدریس اور وعظ و نصیحت

چونکہ ان دنوں بریلی شریف میں اہلسنت و جماعت کا اور کوئی مدرسہ نہ تھا اس لئے طلباء کے لئے اعلیٰحضرت کی ذات گرامی ہی ماویٰ و ملجا تھی۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد اعلیٰحضرت کی توجہ تدریس کی طرف بہت زیادہ تھی۔ طلباء اطراف و اکناف سے جوق در جوق آپکے تبحر علمی سے استفادہ کرنے کے لئے حاضر ہوتے۔ دل و دماغ کی روشنی اور روحانی بالیدگی حاصل کرتے۔

ایک دفعہ چند طلباء آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔ تو انہوں نے کہا: ہم دیوبند سے گنگوہ گئے تھے، وہاں سے بریلی آئے ہیں۔ مولوی محمد شاہ خاں صاحب نے کہا کہ طالب علم عموماً تعریف سنکر ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جایا کرتے

ہیں۔ مجھے اعتبار نہیں آتا، کہ آپ نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف سنی ہو اور اس وجہ سے یہاں تشریف لائے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ وہاں اکثر بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی ہے لیکن بالآخر یہ ضرور کہا جاتا ہے کہ احمد رضا قلم کا بادشاہ ہے۔ جس مسئلہ پر قلم اٹھایا، کیا مجال کہ کوئی اس کے خلاف قلم اٹھا سکے۔ یہی دیوبند میں سنا، یہی گنگوہ میں سنا۔ اس لئے ہمارے دل میں شوق پیدا ہوا، کہ انہیں سے چل کر علم حاصل کرنا چاہیئے۔ جن کے مخالف بھی فضل وکمال کی گواہی دیتے ہیں: ع

الفضل ما شہدت بہ الاعداء جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

حضرت استاذ العلماء مرجع الفضلاء السید السند سید ابو البرکات صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث مرکزی حزب الاحناف لاہور فرماتے ہیں: کہ جب اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی عمر شریف پچاس برس ہو گئی ہے تو آپ نے تمام تر توجہ تصنیف وتالیف کی طرف پھیر دی اور فرمایا ایک دور یعنی نصف صدی گزر گئی۔ زمانے کے حالات بدل گئے۔ اب ہمیں بھی اپنی عادات میں تبدیلی کرنی چاہیئے۔

چونکہ لوگ تحریر سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے اعلیٰحضرت تقریر کی بہ نسبت تحریر کیطرف زیادہ توجہ فرمایا کرتے تھے۔ البتہ سال میں تین زبردست تقریریں ہوتیں ایک مدرسہ اہلسنت وجماعت مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور میں فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی کے موقعہ پر، دوسری ۱۲ ربیع الاول شریف میلاد شریف کے موقع پر صبح آٹھ بجے اور عشاء کے بعد اس تقریر کی اہمیت کے پیش نظر شہر میں اس تاریخ کو کسی دوسری جگہ اہتمام کے ساتھ مجلس منعقد نہ ہوتی۔ تیسری تقریر ۱۰ ذی الحجۃ الحرام عرس سراپا قدس حضرت شیخ ومرشد مولانا سید آل رسول صاحب مارہروی قدس سرہٗ کے موقعہ پر اعلیٰحضرت کے کاشانۂ اقدس پر ہوا کرتی تھی۔

اعلیٰ حضرت اکثر حضرت مولانا شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہٗ کے عرس پر تشریف لے جاتے۔ آپ سے تقریر کی گزارش کی جاتی تو آپ حاضرین مجلس سے فرماتے، میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں۔ آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعیہ دریافت فرمائیں۔ ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا۔ چونکہ سوال کے بعد اسے ظاہر کرنا حکم شریعت ہے۔ میں ظاہر کر دوں گا۔ اتنا سنکر حاضرین میں سے کوئی صاحب حسب حال سوال کر دیتے اور اعلیٰحضرت اسی مسئلے کے متعلق ایک مدلل اور موثر تقریر فرما دیتے۔

ایک دفعہ آپ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے عرس شریف میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ۹ بجے سے ۳ بجے تک پورے چھ گھنٹے سورۃ والضحیٰ پر تقریر فرمائی۔ آخر میں فرمایا، کہ اس سورۂ مبارکہ کی کچھ آیتوں کی تفسیر میں اسی جز لکھے تھے۔ پھر اسے چھوڑ دیا۔ اتنی فرصت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھ سکوں۔

جلالتِ علمی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے انداز علوم جلیلہ سے نوازا تھا۔ عرب وعجم کے علماء نے واشگاف لفظوں میں آپکے علم وفضل کی گواہی دی۔ آپ نے کم وبیش پچاس علوم میں قلم اٹھایا اور قابل قدر کتب تصنیف فرمائیں۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم!
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

یہ شاعرانہ تعلی اور تفاخر نہیں، بلکہ تحدیث نعمت اور انعام الٰہی کا اظہار ہے۔ واقعی آپ کو ہر فن میں کامل دسترس حاصل تھی، بلکہ بعض علوم میں آپ کی مہارت تو حد ایجاد تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ مولوی رحمٰن علی صاحب تذکرہ علمائے ہند فارسی ص۱۷ میں آپ کے رسالہ مبارکہ: الروض البہیج فی آداب التخریج کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"اگر پیش ازیں کتبے دریں فن نیافتہ شود پس مصنف را موجد تصنیف ہذا می تواں گفت" ۔۔۔ (اگر (فن تخریج حدیث میں) اور کوئی کتاب نہ ہو تو مصنف کو اس تصنیف کا موجد کہا جا سکتا ہے؟)

علم توقیت میں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی

علان کیا کرتے تھے۔ وقت بالکل صحیح ہوتا اور ایک منٹ کا بھی فرق نہ ہوتا۔

ایک دفعہ آپ بدایوں تشریف لے گئے۔ مسجد خرما میں حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی عثمانی نے آپ کو صبح کی نماز پڑھانے کے لئے کہا۔ اعلیٰحضرت نے قرأت اتنی طویل کی کہ مولانا عبدالقادر صاحب کو شک ہوا کہ شاید سورج نکل آیا ہے۔ لوگ باہر نکل کر مشرق کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اعلیٰحضرت نے فرمایا: ابھی سورج کے نکلنے میں تین منٹ ۴۴ سیکنڈ باقی ہیں۔ یہ سنکر سب لوگ خاموش ہوگئے۔

چونکہ علم توقیت میں کوئی مستقل کتاب نہ تھی۔ اس لئے جب بعض حضرات نے یہ علم پڑھنے کی درخواست کی تو آپ انھیں زبانی قواعد لکھا دیتے تھے۔ مولانا ظفرالدین بہاری رضوی قدس سرہ بھی انہی پڑھنے والوں میں شامل تھے۔ انہوں نے ان قواعد کو جمع فرماکر توضیح التوقیت کے نام سے شائع کر دیا تھا۔

علم ریاضی میں بھی آپ کو حد سے زیادہ مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر جو کہ علوم ریاضیہ میں کمال رکھتے تھے، اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مزاج پرسی کے بعد آنے کا مقصد دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے کہا۔ میں ریاضی کا ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ ارشاد ہوا۔ فرمائیے: انہوں نے کہا وہ ایسا مسئلہ نہیں جسے اتنی جلدی عرض کر دوں۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا۔ آخر کچھ تو فرمائیے۔ وائس چانسلر صاحب نے سوال پیش کیا۔ تو اعلیٰحضرت نے اسی وقت اسکا تشفی بخش جواب دے دیا۔ انہیں اسقدر حیرت ہوئی کہ بیساختہ کہنے لگے: میں سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی شے ہے۔ آج آنکھ سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلے کے لئے جرمن جانا چاہتا تھا۔ اتفاقاً ہمارے دینیات کے پروفیسر مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری راہنمائی فرمادی، اور میں یہاں حاضر ہوگیا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسی مسئلہ کو کتاب میں دیکھ رہے تھے۔ وائس چانسلر صاحب بصد فرحت و مسرت واپس تشریف لے گئے۔ اعلیٰحضرت کی صحبت کا اس قدر اثر ہوا کہ داڑھی رکھ لی، اور نماز و روزہ کے پابند ہو گئے۔

علم جفر میں بھی اعلیٰحضرت یگانۂ روزگار تھے۔ ۱۲۹۳ھ میں حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین نوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بطور تذکرہ بدوح کا ایک قاعدہ بتایا تھا۔ پھر آپ نے اپنے مطالعہ کے ذریعے اس فن میں کمال عروج حاصل کیا۔ ۱۲۹۵ھ میں جب آپ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو وہاں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے متعلق معلوم ہوا، کہ وہ علم جفر جانتے ہیں۔ ان سے اعلیٰحضرت کی ملاقات ہوئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو قاعدہ ان کے پاس نامکمل تھا۔ اس کی تکمیل اعلیٰحضرت قدس سرہ سے ہوگئی۔

مولانا سید حسین مدنی صاحبزادہ مولانا سید عبدالقادر شامی مدنی بارگاہ رضوی میں حاضر ہوکر چودہ ماہ قیام پذیر رہے۔ اس دوران میں انہوں نے علم اوفاق و تکسیر سیکھا۔ اعلیٰحضرت انہیں عربی میں لکھاتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے۔ حتیٰ کہ ایک رسالہ "اطائب الاکسیر فی علم التکسیر" مکمل ہوگیا۔ اسی عرصے میں انہوں نے علم جفر بھی سیکھا۔ اس علم میں انہیں اتنی دسترس حاصل ہوگئی تھی۔ کہ پانچ سوالوں میں سے دو صحیح حل کر لیتے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔ اگر چند ماہ اور رہتے تو امید تھی۔ بتمام سوال صحیح حل کرنے لگ جاتے۔ اس فن کی آسانی کے لئے جو نقشے اعلیٰحضرت نے ایجاد کئے تھے۔ رخصت کے وقت ان کی نذر کر دیئے۔ کیونکہ اس بارے میں لوگوں کے بکثرت سوالات دیگر دینی معاملات میں حرج پیدا کرتے تھے۔ اسلئے اعلیٰحضرت نے اسے ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

بالخصوص ۱۳۲۲ھ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ رامپور کے نواب صاحب کی بیگم جو کہ شیعہ تھی، بیمار ہوگئی۔ اعلیٰحضرت سے اس بیگم کے متعلق پوچھا گیا۔ تو جواب نکلا، کہ رفض چھوڑ کر سنی ہو جائے، ورنہ شفا نہیں۔ چونکہ فن جفر کا حکم ہے کہ جو حکم نکلے بغیر کسی رعایت کے صاف کہہ دیا جائے۔ اعلیٰحضرت نے یہی جواب لکھ بھیجا۔ لیکن وہ بیگم سنی ہونے پر رضامند نہ ہوئی۔ چنانچہ مرض بڑھتا گیا۔ اسی سال ۸ شوال کو دوبارہ سوال کیا گیا۔ کہ اسکی موت کب اور کہاں ہوگی؟ اس وقت وہ تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے نینی تال میں مقیم تھی۔ اعلیٰحضرت نے جفر کی رو سے جواب دیا کہ اسکی موت ماہ محرم میں ہوگی۔ لیکن نینی تال میں نہیں بلکہ اپنے شہر کے قریب ہوگی۔ بعض جلد باز لوگوں کو اس جواب کا پتہ چلا تو انہوں نے ذیقعدہ ہی میں خط لکھنے شروع کر دیئے کہ دیکھئے، وہ تو ابھی زندہ ہے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ ماہ محرم تو آنے

دو۔ اگر محرم میں نہ مری تو جواب غلط ہو جائے گا۔

اس طوفان بے تمیزی کی وجہ سے اعلیٰحضرت نے فیصلہ کر لیا کہ اگر یہ جواب غلط نکلا تو اس فن پر اتنی محنت کروں گا کہ پھر کبھی باذنہٖ تعالےٰ غلطی نہ ہو۔ نواب صاحب نینی تال میں مقیم تھے کہ کانپور کی مسجد شہید گنج کے ہنگامے میں لفٹنٹ گورنر مسٹر مسٹن کی بے چینی حد سے بڑھی تو نواب صاحب کو تار دیا کہ رامپور آتا ہوں جلد آ کر ملو۔ نواب صاحب اکیلے جانے کو تیار ہوئے تو بیگم نے نہ مانا۔ بالآخر دونوں ماہ محرم میں جیسے ہی رام پور پہنچے۔ بیگم کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح بحمد اللہ تعالےٰ یہ جواب صحیح ثابت ہوا، تاہم اس کے بعد اعلیٰحضرت نے اس فن میں اشتغال ترک فرما دیا۔

اس واقعے سے اعلیٰحضرت کی خداداد صلاحیتوں کا معمولی سا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جفر وہ مشکل ترین علم ہے جس کے سکھانے والے اُس وقت بھی ناپید تھے اور اکابر مصنفین مخفی رکھنے کے لئے اس علم کو مخصوص اشارات میں لکھتے تھے۔ مگر اعلیٰحضرت نے صرف مطالعے کے ذریعے اس فن میں ید طولیٰ حاصل کر لیا تھا۔

علم تکسیر (تعویذات کے علم) میں، بھی آپ غیر معمولی ادراک کے مالک تھے۔ تعویذات کو پُر کرنے کے بے انداز طریقوں سے واقف تھے۔ حالانکہ اکثر تعویذات لکھنے والے حضرات تکسیر کے بغیر ہوتے ہیں۔ انہیں نہ تو اسرار و رموز سے آگہی ہوتی ہے اور نہ ہی خود کسی نقش کے پُر کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری رحمہ اللہ تعالےٰ کے پاس ایک شاہ صاحب تشریف لائے اور بڑے فخر سے کہنے لگے کہ میں نقش مربع سولہ طریقوں پر کر لیتا ہوں۔ حضرت ملک العلماء نے اُن کے پوچھنے پر بتایا کہ مجھے نقش مربع کے پُر کرنے کے گیارہ سو باون طریقے آتے ہیں۔ شاہ صاحب کو یہ ناقابل یقین بات سن کر اسقدر تعجب ہوا کہ اعتبار نہ آیا، پوچھا یہ فن آپ نے کس سے حاصل کیا۔ حضرت ملک العلماء نے فرمایا: اعلیٰحضرت سے۔ شاہ صاحب کے استفسار پر آپ نے بتایا۔ کہ اعلیٰحضرت ۲۳ سو طریقوں سے نقش مربع پر کرنا جانتے تھے۔ بالآخر جب شاہ صاحب نے وہ کتاب دیکھی

جس میں حضرت ملک العلماء نے نقش مربع کو گیارہ سو باون طریقوں سے پر کیا ہوا تھا۔ تو یقین کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔

مگر اس معراجِ فن کے باوجود تعویذوں کا معاوضہ ہرگز نہ لیتے، بلکہ خلق خدا کی فی سبیل اللہ خدمت کو اپنا فریضہ تصور کرتے۔ چنانچہ ایک صاحب نے کچھ شیرینی لا کر پیش کی۔ اعلیٰحضرت نے ان سے دو تین بار پوچھا کہ آپ کیسے تشریف لائے اور یہ تکلیف کیسی فرمائی۔ انہوں نے ہر دفعہ یہی گذارش کی کہ بس آپ کی زیارت اور مزاج پُرسی کے لئے حاضر ہوا ہوں لیکن تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک تعویذ کی درخواست کی۔ اعلیٰحضرت نے اپنے بھانجے علی احمد خاں صاحب سے تعویذ منگوا کر دے دیا۔ آپ کے خادم حاجی کفایت اللہ صاحب اشارہ پاتے ہی وہ شیرینی واپس لے آئے اعلیٰحضرت نے یہ کہتے ہوئے شیرینی واپس کر دی کہ اسے ساتھ لے جائیے۔ میرے یہاں تعویذ بکتا نہیں ہے۔ انہوں نے بہت معذرت کی۔ لیکن آپ نے شیرینی قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

تاریخ گوئی کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کے لئے حساب میں کامل مہارت اور الفاظ کا بے مثال استحضار ضروری ہوتا ہے۔ مگر اعلیٰحضرت بلا تکلف تاریخی مادے بیان فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کی تمام تصانیف کے نام جہاں معنی کے اعتبار سے تصنیف کے موضوع کی واضح نشان دہی کرتے ہیں وہاں ابجد کے لحاظ سے سن تصنیف کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ یہ دونوں خوبیاں کسی اور کی تصنیف میں بہت ہی کم نظر آتی ہیں۔

سنہ ۱۲۸۶ھ آپ کی عمر شریف کا چودھواں سال تھا۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک امام باڑہ تعمیر کیا گیا ہے اسکا کوئی تاریخی نام ہو تو دروازے پر کتبہ لگا دیا جائے۔ آپ نے برجستہ فرمایا۔ اس کا نام بادِ رفض (۱۲۸۶) رکھیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ امام باڑہ گذشتہ سال تعمیر ہو چکا ہے۔ مقصد یہ تھا، کہ کوئی دوسرا نام تجویز کیا جائے جس میں رفض کا لفظ نہ ہو۔ آپ نے فوراً فرمایا۔ پھر تو دارِ رفض (۱۲۸۵) نام رکھ دیں۔ انہوں نے کچھ دیر سوچ کر کہا کہ اسکی ابتدا سنہ ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا درِ رفض (۱۲۸۴)

مناسب رہے گا۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرزند ارجمند کی ولادت کی خبر دیتے ہوئے عریضے میں تاریخی نام تجویز کرنے کے لئے گذارش کی۔ آپ حجامت بنوا رہے تھے۔ سید ایوب علی صاحب رضوی سے فرمایا۔ نام تو مختار الدین ۱۳۴۶ھ ہونا چاہیئے، اور دیکھئے تو شاہ صاحب! شاید تاریخ ہو گئی ہو۔ شاہ صاحب نے حساب لگایا تو ۱۳۴۶ بنے، یہی سن ولادت تھا۔

اللہ تعالٰی کے جس نام کے عدد آدمی کے نام کے عدد کے برابر ہوں۔ وہ اس کے لئے اسم اعظم کی تاثیر رکھتا ہے۔ ایک موقعے پر آپ نے حاضرین میں سے ہر شخص کے اسم اعظم کا بیان فرمایا۔ لیکن سید قناعت علی صاحب کا اسم اعظم بیان نہیں فرمایا۔ ادھر عصر کی اذان ہو گئی۔ پھر تکبیر ہو گئی اور آپ مصلے پر تشریف لے گئے۔ سید قناعت علی صاحب کو مایوسی ہوئی، کہ میرے نام کا اسم اعظم آپ نے بیان نہیں فرمایا۔ یہ میری محرومیت کا پہلا دن ہے۔ آپ نے ان کے اس خیال پر آگاہی پاکر فرمایا۔ سید صاحب آپ کے لئے اسم اعظم یا خالق یا اللہ ہے۔ اس واقعے سے جس طرح تاریخ گوئی کی معراج کا جلوہ نظر آتا ہے اسطرح اسمیں آپکی فراست کاملہ کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

فتوٰی نویسی

فن افتا تو آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے والد ماجد اور جد امجد متبحر فاضل اور صاحب فتوٰی عالم تھے۔ آپ کی پرورش ہی ایسے ماحول میں ہوئی۔ جہاں علم و فضل کا دور دورہ تھا۔ ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کا چرچا تھا آپ نے سب سے پہلے ۸ سال کی عمر میں وراثت کا مسئلہ تحریر فرمایا۔ آپ کے والد ماجد کی نظر اس پر پڑ گئی تو انہوں نے فرمایا؛ کہ انہیں ابھی نہ لکھنا چاہیئے۔ مگر ایسا مسئلہ کوئی بڑا لکھ کر دکھائے تو جانیں۔

پورے چودہ سال کی مختصر سی عمر میں تو فتوٰے نویسی آپ کے سپرد ہی کر دی گئی۔ جسے آپ نے پورے شغف سے تادم زیست انجام دیا۔ آپ کی ذات گرامی اطراف و اکناف کے لوگوں کے لئے ملجا و ماوٰی تھی بعض اوقات سینکڑوں استفتاء جمع ہو جاتے مگر آپ

باقاعدہ ہر ایک کو جواب دینے اور کسی کو محروم نہ فرماتے۔ کیا مجال کہ کسی کو خط کا جواب نہ دیا جائے یا کسی کے بھیجے ہوئے ٹکٹ ضائع ہو جائیں۔

حضرت استاذ العلماء، قدوۃ الفضلاء سید ابو البرکات صاحب شیخ الحدیث مرکزی حزب الاحناف لاہور فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا کہ میں نے ٹکٹ بھیجے تھے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں ضائع ہو گئے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے انہیں واپسی جواب دیا کہ آپ ان ٹکٹوں کی قیمت لکھیں، آپ کو اس قیمت کے ٹکٹ ارسال کر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد آپ لیٹر بکس کی چابی اپنے پاس رکھتے اور اپنے سامنے لیٹر بکس کھلواتے مبادا کسی کے ٹکٹ یا خط ضائع ہو جائیں۔

آپ کا حافظہ حیرت انگیز حد تک قوی تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ فرض منصبی کی لگن کا احساس اسقدر غالب تھا کہ اپنی صحت تک کا خیال نہ فرماتے۔ ایک دفعہ آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ ڈاکٹروں نے تحریر، ملنے جلنے اور گفتگو سے منع کر رکھا تھا۔ اس لئے آپ شہر سے باہر ایک کوٹھی میں قیام پذیر تھے۔ ایک روز تین[۳] خطوط آئے۔ مغرب کے بعد آپ نے خطوط سننے شروع کر دیئے اور بیک وقت چار حضرات کو ان کے جوابات لکھوانا شروع کر دیئے۔ ہر ایک کو ایک ایک فقرہ بتا دیتے۔ وہ لکھنے لگ جاتے۔ لکھ لیتے تو اسی ترتیب سے ہر ایک کو اس سے اگلا فقرہ بتا دیتے۔ اسطرح تمام خطوط کے جواب لکھوا دیئے۔ یعنی ڈاکٹروں کے منع کرنے پر آپ صرف اس بات پر تیار ہو گئے تھے کہ رات کو اپنے ہاتھ سے نہ لکھتے، بلکہ صرف سنکر جواب لکھوا دیتے۔ فقط دن کو اپنے ہاتھ سے لکھتے مگر اشہب قلم اس تیزی سے چلتا کہ کئی آدمی آپ کی تحریر نقل کرنے لگتے تو آپ کے ایک دن کے لکھے ہوئے کی نقل نہ کر پاتے۔

مشہور مقولہ ہے کہ "لکل عالم هفوة" تقریباً ہر عالم کی کوئی نہ کوئی لغزش ضرور ہوتی ہے۔ محدث کچھوچھوی فرماتے ہیں کہ ہمیں اور عرب و عجم کے تمام علماء کو اعتراف ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، بحر العلوم مولانا عبد العلی لکھنوی یا پھر اعلیٰحضرت کی زبان و قلم

۱؎ مقالات یوم رضا [illegible]   ۲؎ مقالات یوم رضا [illegible]

کا یہ حال دیکھا کہ مولا تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے انکی حفاظت فرمائی، اور زبان و قلم
کو لفظ برابر لغزش تک سے محفوظ رکھا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اس
عنوان پر غور کرنا ہو تو فتاوی رضویہ کا گہرا مطالعہ کر ڈالیے۔

مناظرہ

استاذ العلماء، مرجع الفضلاء، ملک المدرسین مولانا عطا محمد صاحب دامت برکاتہم
العالیہ فرماتے ہیں کہ اعلیحضرت قدس سرہ کے علمی دبدبہ اور رعب کا یہ حال تھا
کہ باوجود کوشش بسیار کے ذریت اسمٰعیل کے کسی فرزند کو مناظرہ کی توفیق نہ ہوئی اور تاریخ و
مقام مناظرہ متعین ہونے کے باوجود اعلیحضرت نے وقت اور مکان کی پوری پابندی کی د
سجادگان قتل و شہید یا وہاں نہ گئے اور یا جاکر راہ فرار اختیار کی۔ حالانکہ اعلیحضرت کے وصال
کے بعد بیسیوں مناظرے معرض وجود میں آئے ۔۔۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پسماندگان قتیل
کے پھیپھڑے اس شیر نر سے کانپتے تھے (تقریظ بر توضیح البیان ص۲)

آخر اس بحر ناپیدا کنار کے مقابلے میں آنے اور علم و جلال کے پہاڑ سے ٹکر لینے کی کون
ہمت کر سکتا تھا۔ اعلیحضرت اسے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فیض نظر کا نتیجہ
قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

رضا کے سامنے کی تاب کس میں — فلک وار اس پہ تیرا ظل ہے یا غوث

ماہ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۱۸ھ میں بدایوں بریلی سنبھل رام پور وغیرہ کے تفضیلی شیعہ نے
مسئلہ تفضیل پر اعلیحضرت سے مناظرے کا اعلان کر دیا۔ ان کی سازش یہ تھی، کہ ان دنوں
آپ کی طبیعت علیل ہے، آپ منضج استعمال کر رہے ہیں۔ جب مسہل کا دن آئے گا تو اس
سے ایک دن پہلے ہم مناظرے کی دعوت دے دینگے۔ اول تو آپ خود ہی مسہل کی وجہ سے
انکار کر دیں گے، اور اگر تیار ہوئے بھی تو طبیب صاحب جو کہ در اصل رافضی تھے۔ منافقت
اور تقیہ سے کام لیکر آپ کا علاج کر رہے تھے، علالت کے پیش نظر مناظرے سے منع
کر دیں گے۔

مگر جسے اللہ تعالٰی سربلندی و رفعت عطا فرمائے اسے کون نیچا دکھا سکتا ہے۔
چنانچہ جب اعلیحضرت کو مناظرے کی اطلاع پہنچی۔ تو آپ فوراً تیار ہو گئے۔ طبیب صاحب

نے لاکھ منع کیا۔ مگر آپ نے ان کی ایک نہ سنی، اور فرمایا مجھے مناظرہ کرتے ہوئے مرجانا منظور ہے
لیکن مناظرے سے انکار کر کے بچنا مقصود نہیں۔ اسی حالت میں تیس سوال لکھ کر سرگروہ جماعت
کے پاس بھیج دیئے۔ مولانا رحمان علی صاحب فرماتے ہیں:

"بمجرد معائنۂ اسولۂ مذکورہ سرگروہ مناظرین بسوارے عجلۂ دخانی بعجلت تمام جانب وطن
تشریف فرما شدند و دیگر معاونین شاں بزاویۂ من سکت سلم پناہ بردند"

مناظرین کے قائد نے محض سوالات دیکھ کر کمال دیانت داری سے کہا کہ ان سوالات
کے جوابات کوئی شخص تفضیلی عقائد رکھتے ہوئے نہیں دے سکتا۔ (حیات اعلیحضرت)
جلدی جلدی گاڑی پر بیٹھے اور اپنے وطن روانہ ہو گئے۔ اور ان کے معاونین نے
خاموشی کے گوشے میں پناہ لی۔

چنانچہ اس واقعے کی تفصیل رسالہ فتح خیبر (سنہ ۱۳۰۰) میں اسی زمانے میں طبع ہو گئی تھی۔ ملک
العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں: "کہ اسکے بعد مولوی محمد حسن صاحب سنبھلی نے شرح
عقائد پر حاشیہ نظم الفرائد لکھا جس میں انہوں نے اہل سنت و جماعت کے عقائد کا
اظہار کیا۔ اعلیحضرت نے ان رافضیوں کو پھر کئی دفعہ دعوت مناظرہ دی مگر ادھر سے کوئی
صدا نہ اٹھی۔

شعر و شاعری

باوجود اسکے کہ آپ جملہ علوم دینیہ کے علاوہ جفر، نجوم، ریاضی
اور تکسیر وغیرہ علوم و فنون میں نادر روزگار تھے۔ آپ کو اگر منبع
العلوم اور مخزن الفنون کہا جائے تو یقیناً درست ہوگا۔ اسکے باوجود آپ زاہد خشک
نہ تھے، بلکہ بعض اوقات شعر بھی کہتے۔ شعر گوئی آپ کا مشغلہ نہ تھا، اور نہ ہی اس کے
لئے کوئی تیاری وغیرہ کرتے بلکہ جب کبھی مدینہ طیبہ یا بغداد شریف کے شوق کا دریا موجزن
ہوتا۔ تو بے ساختہ محبت و الفت کے جذبات شعروں کے سانچے میں ڈھل کر زباں
پہ آجاتے۔ چونکہ آپ کی طبیعت میں علم و فضل کی طرف بہت میلان تھا۔ اس لئے علمی
اصطلاحات اور دقائق بے تکلف استعمال فرما جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام
کا اکثر حصہ علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، عوام کی پہنچ سے باہر ہے۔ چنانچہ حضور غوث پاک منی

اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فرماتے ہیں

ترا منسوب ہے مرفوع اس جا * اضافت رفع کی حامل ہے یا غوث

قصیدۂ نور کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

وضع واضع میں تری صورت ہے معنی نور کا
یوں مجازاً چاہیں جسکو کہہ دیں کلمہ نور کا

یہ جو مہر و ماہ پہ اطلاق آیا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حدِ اوسط نے کیا صغرٰے کو کبریٰ نور کا

قصیدۂ معراجیہ میں فرماتے ہیں :

سراغ این و متیٰ کہاں تھا نشان کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

تاہم آپ کی بیشتر نعتوں میں بے ساختگی، سوز و گداز، کیف و جذب، فصاحت و بلاغت، جوشِ بیاں اور پاسِ شریعت غرض آپکے کلام میں ہر طرح کا حسن صوری و معنوی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام کو جامِ کوثر کہا جائے تو یقیناً بجا ہوگا۔ آپ کا کلام اہل ایمان و محبت کے سازِ روح کا دلنواز نغمہ معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذوقِ سلیم رکھنے والے حضرات آپ کے کلام کو سنکر جھوم جھوم جاتے ہیں۔ آپ خود تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتے ہیں :

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

برصغیر پاک و ہند میں اہل محبت کی شاید ہی کوئی محفل ایسی ہوگی جہاں آپ کے کلام اللہ

مشہور زمانہ سلام " مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام " کی گونج سنائی نہ دے۔ آخر کیوں نہ ہو، آپ کی نعتوں کے ایک ایک شعر سے ارض و سما کے خالق کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں :

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اکثر شعراء جوشِ شاعری میں کچھ کا کچھ کہہ جایا کرتے ہیں۔ مبالغے پر آئیں تو زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں، مگر اعلیٰحضرت نے شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی اور نعت گوئی کا ایک معیار قائم کر دیا۔ آپ کی نعتوں میں کہیں بھی شانِ رسالت کی بے ادبی کا پہلو نہیں نکلتا، اور نہ ہی کہیں حد سے تجاوز پایا جاتا ہے۔ بیشک ایک عالم دین کی یہی شان ہونی چاہیئے۔ نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا تو آپ کی روح کی غذا تھی ذرا اندازِ بیان دیکھیئے اور حدِ شریعت کی پاسداری ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں :

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ   ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں   ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

آپ نے نہ صرف خود نعت کے تقدس کو ملحوظ رکھا، بلکہ دوسرے شعراء کی بھی راہنمائی فرمائی۔ چنانچہ اردو کے بلند پایہ شاعر حضرت اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر آپکی خدمت میں بھیجی، جسکا مطلع (پہلا شعر) یہ تھا ؎

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے * مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰحضرت نے سخن ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کہ دوسرا مصرعہ مقامِ نبوت کے لائق نہیں آپ نے قلم برداشتہ اصلاح فرمائی ؎

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے   قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلےٰ کے سامنے

حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی اعلیٰحضرت کے برادرِ محترم پر پہلے پہل غزل کا رنگ غالب تھا۔ اعلیٰحضرت کے فرمانے پر انہوں نے نعت کو اپنا موضوعِ سخن بنایا اور اعلیٰحضرت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نعت کہنے لگے اور یوں ان کی نعتوں کا قابلِ قدر د

ستائش مجموعہ "ذوقِ نعت" معرضِ وجود میں آکر آج بھی دادِ تحسین وصول کر رہا ہے۔

آپ کے نعتیہ کلام کی تعریف و توصیف میں بڑے بڑے شعراء اور اہلِ لسان رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ محسن کاکوروی نے جب معراج پر اپنا قصیدہ

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل !

برق کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

لکھا۔ تو سنانے کے لئے بریلی شریف اعلیٰحضرت کے پاس تشریف لائے۔ ظہر کے بعد دو شعر سننے کے بعد طے پایا، کہ عصر کے بعد باقی قصیدہ سنا جائیگا۔ اعلیٰحضرت نے عصر سے پہلے اپنا طویل قصیدہ معراجیہ سنایا۔ عصر کے بعد اکھٹے ہوئے تو اعلیٰحضرت نے فرمایا: پہلے میرا قصیدہ سن لیجئے۔ حضرت محسن کاکوروی نے جب آپکا قصیدہ مبارک سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا، اور کہا: مولانا! آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔[1]

موجودہ دور کے مشہور ترین شاعر علامہ اقبال بھی آپ سے متاثر تھے۔ چنانچہ:

غالباً ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ تھا۔ علامہ اقبال اس جلسے کے صدر تھے۔ جلسہ میں کسی خوش الحان نعت خواں نے مولانا احمد رضا خانصاحب کی ایک نظم شروع کی۔ جسکا ایک مصرعہ یہ تھا ع

رضائے خدا ہے رضائے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

نظم کے بعد علامہ اقبال نے اپنی صدارتی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے، اور ارتجالاً ذیل کے دو شعر ارشاد فرمائے

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش — لگائے خدا اور بجھائے محمد

تعجب تو یہ ہے کہ فردوس اعلیٰ — بنائے خدا اور بسائے محمد[2]

حضرت ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھوی فرماتے ہیں: کہ

ایک مرتبہ لکھنؤ کے ادیبوں کی ایک شاندار محفل میں اعلیٰحضرت کا قصیدہ معراجیہ

میں نے اپنے انداز میں پڑھا، تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدہ کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں۔ تو سب نے کہا کہ اس کی زبان تو کوثر کی دھلی ہوئی زبان ہے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ جناب عابد نظامی کو پیش آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ

غالباً سن ۱۹۵۹ء کے نصف آخر کا ذکر ہے کہ مجھے ملتان میں ایک جلسے یوم حسین کی تقریب میں شرکت کے لئے جانا پڑا۔ یہ جلسہ ٹاؤن ہال میں ہوا۔ شرکائے جلسہ مولانا عبد الماجد دریابادی مولانا محمد جعفر ندوی پھلواری اور کوثر نیازی مولانا باقر خاں امیر جماعت اسلامی ملتان کی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ رات کو یہ دلچسپ مذاکرہ چھڑ گیا کہ اردو کا سب سے بڑا نعت گو شاعر کون ہے؟ اردو کے بڑے بڑے شاعروں کے اشعار مقابلے میں پیش ہونے لگے، یہ مباحثہ کافی دیر تک جاری رہا۔ بالآخر سب نے اس بات پر اتفاق کیا۔ کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے اچھے نعتیہ شعر (زیادہ تعداد میں) اردو کے کسی شاعر نے نہیں کہے۔ میں اسوقت تک مولانا کے نام سے تو ضرور واقف تھا مگر کلام سے واقف نہ تھا۔ بعد میں ان کا کلام "حدائق بخشش" دیکھا، تو اس بات کی تصدیق ہو گئی۔[1]

جناب عابد نظامی کہتے ہیں کہ:

مولانا کے مسلک سے اختلاف کرنے والے ممکن ہے بہت سے حضرات ملیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ ان کے کمالِ نعت گوئی سے کسی کو اختلاف ہو۔ مولانا کی نعت گوئی میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ ویسے ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں، لیکن کم از کم مجھے آج تک پڑھے لکھوں میں مولانا کی نعت گوئی سے اختلاف کرنے والا کوئی نہیں ملا۔[2]

چنانچہ اس سلسلے میں اختر اعظمی کا بیان ذکر کر دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ اختلاف مسلک کے باوجود لکھتے ہیں:

احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہین اور متبحر عالم تھے۔ وہ عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے

---

[1] مقالات یوم رضا بحوالہ انوار اقبال ص۲۵۱ ۱۲ [2] مقالات یوم رضا ص۲ ۱۲

[1] مقالات یوم رضا ص۱۱ ۱۲ [2] مقالات یوم رضا ص۱۱ ۱۲

اس لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہیئے۔ انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کے یہاں تکلف اور تصنع نہیں بلکہ بےساختگی ہے۔ چونکہ رسول پاک سے انھیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوص کے جذبات کا آئینہ دار ہے۔

اعلیحضرت نے بڑی خوبی سے احادیث اور آیات قرآنیہ کے اقتباس اپنے کلام میں شامل کئے ہیں۔ چونکہ آپ عربی فارسی وغیرہ زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اس لئے بلا تکلف ہر زبان میں شعر کہتے تھے۔ بلکہ ایک دفعہ تو آپ کے احباب میں سے جناب ارشاد اور جناب ناطق نے (جو خود بھی شاعر تھے) فرمائش کی کہ ایک ایسی نعت لکھ دیں جس میں عربی، فارسی، اردو اور ہندی چاروں زبانیں استعمال کی گئی ہوں۔ چنانچہ آپ نے فی البدیہہ ایک نعت شریف لکھ دی جسکا پہلا شعر یہ تھا ؎

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اور آخر میں جناب ارشاد اور ناطق کے ناموں کی طرف بڑے لطیف پیرائے میں اشارہ فرمایا

بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا

ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

یہ نعت چار زبانوں کے حسین امتزاج کا مرقع ہے۔ اس سے آپ کی جدت طرازی اور ایجاد کی قوت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

اعلیحضرت کا مشہور زمانہ سلام بلاشبہ نہ صرف اردو ادب کا عظیم ترین شاہکار ہے بلکہ کیف و سرور میں اردو کا اور کوئی سلام اس کے پائے کا نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلام کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔ عابد نظامی کہتے ہیں کہ

مولانا کا مشہور و مقبول سلام: "مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" ہر شخص نے

۱؎ مقالات یوم رضا حصہ۳ بحوالہ ارمغان حرم

کئی بار سنا ہوگا، اور بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی ہند و پاک میں شاید ہی کوئی عاشق رسول ایسا ہوگا جس نے اس سلام کے دو چار شعر حفظ نہ کر لئے ہوں۔

جناب محمد مرغوب صاحب اختر الحامدی نے اس سلام کی تضمین لکھ کر قابل قدر کام کیا ہے۔ کاش کوئی مرد خدا اعلیحضرت کے شعر و سخن کی طرف توجہ دیتا، اور اس کی خوبیوں کو اجاگر کرتا۔ بلکہ اسکی شرح لکھ کر علمی دنیا میں اسے پوری طرح متعارف کرواتا۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور بزرگان دین کی تعظیم ہی کا اثر ہے کہ آپ کا نام نامی رہتی دنیا تک عزت و عظمت سے لیا جائے گا۔ بلکہ اعلیحضرت تو فرماتے ہیں۔

نگہبان کرتے ہیں تعظیم میری   فدا ہو کے تجھ پر یہ عزت ملی ہے

نبی کریم رؤف و رحیم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ اعلیحضرت کی محبت و تعظیم کا مخالفین کو بھی اقرار ہے۔ آپ کی نعتوں اور تصنیفات سے اسی محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور اہل اسلام کے دلوں کو سیراب کرتے ہیں۔ آپکی شاعری کا محور ہی حب مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور تعظیم اولیاء کرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان و قلم کبھی کسی دنیا کے تاجدار کی قصیدہ خوانی سے ملوث نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نیابت کا فریضہ انجام دیا ہے۔

ایک مرتبہ ریاست نانپارہ (ضلع بہرائچ شریف یوپی) کے نواب کی مدح میں شاعروں نے قصیدے لکھے۔ بعض حضرات نے آپ کی خدمت میں بھی نواب صاحب کی شان میں قصیدہ لکھنے کی گذارش کی، آپ نے ایک نعت شریف لکھی جس کا مطلع یہ تھا

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور آخر میں دنیا کی دولت رکھنے والوں کی تعریف کرنے سے صاف انکار کر دیا اور "نانپارہ" کو نہایت لطیف انداز میں ذکر فرما دیا

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

مرشد برحق کے دست مبارک پر بیعت

حضرات صوفیائے کرام اور علمائے عظام کا طریقہ ہے کہ وہ مشائخ کے دست اقدس پر بیعت کر کے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلسلہ وار تعلق کو مضبوط اور مستحکم بنا لیا کرتے ہیں۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ۵ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۲۹۴ھ کو اپنے والد ماجد کی معیت میں سید الواصلین سند الکاملین حضور پر نور حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی تاجدار مارہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ چونکہ دونوں حضرات صلاحیت تامہ اور آئینے کی طرح صاف وشفاف دل لے کر حاضر ہوئے تھے، اور حضرت شیخ کی ژرف نگاہی نے ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے اسی وقت دونوں حضرات کو خلافت، سند حدیث اور تمام سلسلوں کی اجازت سے نواز دیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسین نوری میاں صاحب نے حضرت شیخ سے عرض کی کہ حضور آپ کے یہاں تو طویل عرصہ با مشقت مجاہدہ وریاضت کے بعد خلافت و اجازت دی جاتی ہے تو پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی۔ حضرت مرشد برحق نے فرمایا: میاں صاحب! اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لیکر آتے ہیں۔ اسکی صفائی اور پاکیزگی کے لئے مجاہدات طویلہ ریاضیات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ دونوں حضرات صاف ستھرا پاکیزہ دل لے کر ہمارے پاس آئے ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہو گئی۔ (تذکرہ نوریؒ)

پھر مزید آپ نے فرمایا: کہ مجھے اس بات کی بہت بڑی فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے آل رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں بارگاہ الہٰی میں کیا چیز پیش کروں گا۔ لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہو گئی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آل رسول! تو میرے لئے کیا لایا؟ تو میں عرض کروں گا کہ الہٰی تیرے لئے احمد رضا لایا ہوں۔ (حاشیہ تذکرہ نوری)

جب سنہ ۱۲۹۶ھ میں حضور پیر و مرشد کا وصال ہوا تو آپنے قبل از وصال اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کو سید ابوالحسین نوری اپنے ابن الابن ولیعہد اور سجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ ان سے آپ نے کچھ طریقت کی تعلیم، علم تکسیر اور علم جفر وغیرہ علوم حاصل کئے۔

اتباع شریعت اور اخلاق وعادات

آپ کی زندگی میں حب مصطفیٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اتباع شریعت کا عنصر بہت زیادہ غالب تھا۔ چنانچہ پنجوقتہ نماز باجماعت نہایت اہتمام سے ادا کرتے۔ حتیٰ کہ شدید بیماری کی حالت میں بھی کرسی پر بیٹھ کر مسجد میں آتے اور جماعت سے نماز ادا کرتے۔ فرض نماز عمامے اور انگرکھے کے بغیر ہرگز ادا نہ کرتے۔ ایک موقع پر جب علالت کی وجہ سے نماز میں قرأت دشوار ہو گئی، تو آپ فرائض اور سنن کسی اور کی اقتدا میں ادا کرتے۔

جب آپ دوسری دفعہ حج کو گئے تو وہاں طبیعت علیل ہو گئی۔ محرم کے آخری دنوں میں طبیعت بحال ہوئی تو آپ نے ایک سلطانی حمام میں غسل کیا۔ باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھٹا چھا گئی ہے۔ حرم شریف تک پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہو گئی۔ معاً آپ کو ایک حدیث یاد آگئی کہ جو بارش میں طواف کرے وہ رحمت الہٰی میں تیرتا ہے۔ آپ نے اسی وقت حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف شروع کر دیا۔ بخار پھر عود کر آیا۔ مولانا سید اسمٰعیل صاحب نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کے لئے آپ نے اپنے آپ کی پروانہ کی — اعلیٰحضرت نے جواب دیا جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن امید بحمد اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ (ملفوظ شریف حصہ دوم)

ایک دفعہ رمضان شریف میں طبیعت سخت علیل ہو گئی۔ طبیبوں کے کہنے کے باوجود آپ نے روزہ افطار نہ کیا۔ روزے کی برکت سے صحت بھی حاصل ہو گئی۔

آپ رات کو سوتے وقت نام اقدس (محمدؐ) صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شکل میں استراحت فرماتے۔ سلام کہنے میں پہل کرتے۔ کسی چیز کے لینے اور دینے کے لئے داہنا ہاتھ ہی استعمال فرماتے۔ کبھی قہقہہ نہ لگاتے۔ جماہی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لیتے۔ کلی

کرتے وقت بایاں ہاتھ ریش مبارک پر رکھ کر منہ سے پانی گراتے، قبلہ کی طرف منہ کر کے کبھی نہ تھوکتے۔ قبلہ کی طرف پائے مبارک کبھی دراز نہ کرتے۔ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور آئینہ استعمال کرتے۔ اس آہستگی سے چلتے کہ اصلاً آواز پیدا نہ ہوتی۔ اکثر نگاہیں نیچی رکھتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو پسند نہ فرماتے۔ اگر آپ کسی حدیث کی ترجمانی فرما رہے ہوں اور درمیان میں کوئی شخص بات کاٹتا، تو سخت ناراض ہوتے۔

طلباء کے لئے آپ کی ایک اہم نصیحت کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا، فرماتے ہیں؛ لینے والے کو چاہیئے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہو اپنے تمام کمالات کو دروازہ ہی پر چھوڑ دے اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں، خالی ہو کر آئے گا تو کچھ پائے گا، اور جو اپنے کو بھرا سمجھے گا تو ع

اناء یکہ پر شد دگر چوں برد

"بھرے برتن میں اور کوئی چیز نہیں ڈالی جا سکتی۔"

غرباء اور فقراء کی خصوصی امداد کرنا بھی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ ناداروں کے ماہانہ وظیفے تو کلائے اعث مقرر تھے۔ مقامی ہی نہیں۔ بلکہ بیرونی ضرورت مندوں کو بذریعہ منی آرڈر ارسال کرتے۔ جب کہیں سے کوئی رقم آتی کوشش کر کے اسے تقسیم فرما دیتے۔ اسی لئے آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے کبھی ایک پیسہ زکوٰۃ کا نہیں دیا۔ کیونکہ آپ اپنے پاس اتنے پیسوں کو رہنے ہی نہ دیتے تھے کہ سال گزرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب ہو۔

والدین کی تعظیم و احترام کا یہ عالم تھا کہ جب والد ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں قدس سرہٗ کا وصال ہوا، تو آپ اپنے حصے کی جائیداد کے خود مالک تھے مگر تمام اختیار والدہ ماجدہ کے ہاتھ تھا۔ حتیٰ کہ آپ کو کتابوں کی ضرورت ہوتی تو ان کی اجازت کے بعد ہی منگواتے بلکہ دوسری دفعہ حج کے لئے گئے تو والدہ ماجدہ سے اجازت حاصل کر کے ہی گئے۔

اہل علم اور طلباء کا احترام

آپ کے ہاں علمائے اہل سنت کی بکثرت آمد و رفت رہتی۔ آپ علماء کی تشریف آوری پر بے حد مسرور ہوتے۔ حسب مراتب کسی کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرماتے۔ بالخصوص

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی عثمانی اور اعلیٰحضرت کے الفاظ میں الاسد الاسد الاشد الارشد مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمہما اللہ کی تو آپ بہت ہی عزت کرتے تھے لیکن بایں ہمہ خلاف شریعت کوئی بات نظر آتی تو بڑے خوب صورت طریقے سے اسکا ازالہ کر دیتے۔ چنانچہ ایک بار حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین مارہرہ شریف تشریف لائے تو آپ حسب سابق خود ہاتھ دھلا رہے تھے۔ فرمایا کہ حضرت شاہزادہ صاحب انگوٹھی اور چھلے مجھے دے دیجئے۔ انہوں نے اتار دیئے۔ پھر کسی کام بریلی سے بمبئی چلے گئے۔ واپسی پر جب آپ مارہرہ پہنچے تو آپ کی صاحبزادی نے عرض کی کہ بریلی کے مولانا صاحب نے یہ پارسل بھیجا ہے جس میں یہ سونے کی انگوٹھی اور چھلے ہیں اور خط میں لکھا ہے کہ شاہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی چیزیں آپ کی ہیں۔

مبلغ اسلام حضرت مولانا الحاج قاری شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی قادری رضوی میرٹھی حرمین طیبین سے واپس آئے تو انہوں نے اعلیٰحضرت کی شان میں ایک منقبت پڑھی۔ اس کے بعد اعلیٰحضرت نے اپنے نہایت قیمتی عمامے کیطرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس دیار پاک سے تشریف لا رہے ہیں، اگر یہ عمامہ پیش کروں تو یہ آپکے قدموں کے بھی لائق نہیں البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کئے دیتا ہوں، اور کاشانۂ اقدس سے سرخ کاشانی مخمل کا جبہ لا کر عطا فرما دیا جو اسوقت کسی طرح بھی ڈیڑھ سو روپے سے کم قیمت کا نہ ہوگا۔

حجاج کرام آتے تو ان سے دریافت کرتے کہ مدینہ طیبہ حاضری دی تھی، اگر جواب ملتا کہ حاضری دی تھی تو بہت خوش ہوتے اور بے حد تعظیم کرتے، اور اگر یہ کہا جاتا کہ حاضری نہیں دی تو اسکی طرف توجہ بھی نہ فرماتے۔

طلباء کے لئے تو آپ سراپا کرم و عنایت تھے۔ عموماً لوگ طلباء کو چنداں اہمیت نہیں دیتے مگر آپ کے اخلاق کریمانہ کی داد دیجئے کہ کسی صورت میں طالب علموں کی دل شکنی گوارا نہ فرماتے۔ چنانچہ مولانا مقبول احمد خاں صاحب مہتمم مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ نے فرمایا کہ میں ٹونک پڑھا کرتا تھا کہ وہاں ایک بزرگ تشریف لائے، ان کے تعویذ

تیر بہدف ثابت ہوتے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک نقش دیا، اور فرمایا کہ اسے شرف آفتاب کے وقت سونے کے پتر پر کندہ کرا کے انگوٹھی میں جڑوا کر پہننا حد درجہ نافع ہوگا۔ باقی تمام انتظام ہو گئے لیکن شرف آفتاب کے معلوم کرنے کا مسئلہ باقی رہ گیا۔ اس کے لئے میں نے باوجودیکہ کچھ شناسائی اور واقفیت نہ تھی، اعلیٰحضرت کی خدمت میں عریضہ لکھ دیا۔ خدا کی قدرت کہ جس دن خط پہنچا، اس سے دوسرے ہی دن شرف آفتاب تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ واپسی ڈاک بھی جواب دیتے تو بھی آپ کا مکتوب شرف آفتاب کے ختم ہونے کے بعد ملتا جس سے مجھے ناقابل بیان صدمہ ہوتا، اور مجھے اس کے لئے مزید ایک سال اور انتظار کرنا پڑتا۔ اعلیٰحضرت نے ایک طالب علم کے صدمے کا خیال فرماتے ہوئے مجھے تار کے ذریعے جواب دیا کہ شرف آفتاب کل ۹ بجے سے منٹ ایک ان رات تک رہے گا۔ اس طرح نقش بروقت کندہ ہوگیا، اور انگوٹھی تیار ہوگئی۔ آج بھی انگوٹھی کو دیکھتا ہوں تو ایک طالب علم پر اعلیٰحضرت کی شفقت وعنایت کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری نے جب پہلا فتویٰ صحیح لکھ کر اصلاح کے لئے آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے انہیں اپنے دستِ اقدس سے ایک روپیہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے والد ماجد نے مجھے پہلے صحیح فتوے پر ایک روپیہ انعام کے طور پر عنایت کیا تھا، اس لئے میں بھی اول صحیح فتوے پر کچھ انعام دیتا ہوں۔

آپ کی طرف سے اس طرح کی عزت افزائی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے تلامذہ اور رفقاء میں خدمتِ دین کا زبردست جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے دینی امور میں تازیست بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور یوں خدمتِ دین کا ایک درخشندہ باب تحریر فرما گئے۔

سادات کرام کی تعظیم وتکریم

اہل محبت کے نزدیک ہر وہ چیز قابل تعظیم ہوتی ہے جسے محبوب کے ساتھ معمولی سی نسبت بھی حاصل ہو۔ سادات کرام کے جسم میں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خون رواں دواں ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی تعظیم ومحبت کو ہر شخص اپنے لئے سعادت تصور کرتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی اعلیٰحضرت کا طرزِ عمل نہایت ہی قابل تقلید تھا۔ آپ کے ہاں میلاد النبی یا عرس وغیرہ کی تقریبات میں

سادات کو دوہرا حصہ دیا جاتا، اور ان کی تعظیم وتوقیر میں کسی طرح کمی نہ کی جاتی۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ ایک صاحبزادے امور خانہ داری کے لئے ملازم رکھے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ سید ہیں۔ اعلیٰحضرت نے گھر والوں کو تاکید فرمادی کہ خبردار! صاحبزادے سے کوئی کام نہ لیا جائے، اس لئے کہ وہ مخدوم زادے ہیں۔ جس چیز کی انہیں ضرورت ہو حاضر کی جائے اور جس تنخواہ کا وعدہ ہوا ہے بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے۔

ایک دفعہ ایک سید صاحب نے آپ کے دروازے پر آکر آواز دی کہ "دلواؤ سید کو" — یہ سنتے ہی آپ باہر تشریف لائے، اور دینی امور کے لئے جو دو سو روپے کی رقم رکھی ہوئی تھی۔ پیش کردی اور کہا "حضور حاضر ہیں"۔ اس میں مختلف قسم کے سکے تھے۔ سید صاحب کچھ دیر انہیں دیکھتے رہے، پھر ایک چونی اٹھالی، اور فرمایا، بس آپ لے جائیے! اسی وقت آپ نے خادم سے فرمایا، کہ جب سید صاحب تشریف لائیں تو ایک چونی ان کی نذر کردیا کرو، انہیں کہنے کی ضرورت نہ پڑے۔ مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب نعتیہ شعر کہا ہے یہ اسی کی اتباع تھی ؎

کیوں اپنی گلی میں روا دارِ صدا ہو
جو بھیک لئے راہ گدا دیکھ رہا ہو!

آپ شرعی معاملات پر سختی سے کاربند رہا کرتے تھے اور حکم شریعت کے مطابق پردے کا نہایت اہتمام کرتے تھے۔ لیکن سادات کرام کی تعظیم وتوقیر کا جذبہ کسی طرح کم نہ تھا۔

چنانچہ ایک بار ایک سید صاحب آپکی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اس سے پہلے جب وہ تشریف لائے تھے تو مکان مردانہ تھا، لیکن اب وہ مکان زنانہ تھا۔ اتفاق وقت کہ آستانہ عالیہ پر کوئی آدمی بھی موجود نہ تھا جو انہیں بتادیتا، اس لئے وہ سیدھے اندر چلے گئے۔ مستورات امور خانہ داری میں مصروف تھیں، انہوں نے دیکھا تو فوراً پردے میں چلی گئیں۔ اب جو سید صاحب کو احساس ہوا، تو ندامت سے سر جھکا کر واپس جانے لگے، اتنے میں اعلیٰ حضرت تشریف لے آئے اور سید صاحب کو ساتھ لے کر اس جگہ چلے گئے، جہاں بیٹھ کر آپ تصنیف وتالیف کا کام کیا کرتے تھے۔

سید صاحب کو بٹھا کر کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تاکہ ان کی ندامت دور ہو۔ سید صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے علم نہ تھا۔ میں سمجھا کہ مکان مردانہ ہے اس لئے بلا تکلف چلا آیا۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا: حضرت! یہ سب تو آپ کی باندیاں ہیں آپ آقا اور آقازادے ہیں۔ معذرت کی کیا ضرورت ہے۔ میں خود سمجھتا ہوں آپ اطمینان سے تشریف رکھیئے۔

حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں: یہ واقعہ خود سید صاحب نے مجھ سے بیان کیا، اور بطور خوش طبعی کہا کہ میں تو سمجھا تھا کہ آج خوب پٹے مگر ہمارے پٹھان نے وہ عزت و قدر کی کہ دل خوش ہو گیا، واقعی حب رسول ہو تو ایسا ہو۔

نماز جمعہ کے بعد آپ تشریف فرما تھے، حاضرین کا مجمع تھا۔ اتنے میں مولوی نور محمد صاحب جو اسوقت آستانہ عالیہ پر بغرض تعلیم مقیم تھے۔ باہر سے قناعت علی قناعت علی پکارتے ہوئے سنائی دیے۔ انہیں فوراً بلایا، اور فرمایا: سید صاحب کو اس طرح پکارتے ہو۔ کبھی آپ نے مجھے بھی نام لیتے سنا۔ پھر تاکیداً فرمایا آئندہ اس کا خیال رکھیں۔

اسی مجلس میں دوران گفتگو فرمایا: قاضیٔ وقت اگر سید کو حد لگائے تو یہ خیال نہ کرے کہ میں سزا دے رہا ہوں۔ بلکہ یہ تصور کرے کہ شاہزادے کے پاؤں میں کیچڑ بھر گئی ہے اسے دھو رہا ہوں۔

زیارت حرمین شریفین

کونسا مسلمان ہے جسکے دل میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق نہ مچلتا ہو۔ کون ہے جس کے دل میں مہبط انوار الٰہیہ کی حاضری کی تڑپ نہ ہو۔ اعلیٰحضرت کو یہ سعادت دو دفعہ میسر ہوئی۔ پہلی دفعہ ۱۲۹۵ھ میں والدین کریمین کی معیت میں یہ سفر طے کیا۔ اسوقت آپ کی زندگی کا تیئسواں سال تھا۔ وہاں سید احمد دحلان مفتی

شافعیہ اور مولانا عبد الرحمان سراج مفتی حنفیہ سے حدیث، فقہ، اصول و تفسیر وغیرہ علوم کی سند حاصل کی۔

ایک دن آپ نے مقام ابراہیم میں نماز مغرب ادا کی، تو امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل نے بغیر کسی شناسائی کے آپکا ہاتھ پکڑا؛ اور اپنے گھر لے گئے اور دیر تک فرماتے رہے: انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین: مجھے اس پیشانی سے اللہ تعالیٰ کا نور نظر آتا ہے۔ بعد ازاں صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے عنایت فرمائی، اور فرمایا: تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔ یہ سند امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ تک گیارہ واسطوں سے پہنچتی ہے۔ اعلیٰحضرت نے انہی کی مذہب شافعیہ پر کتاب الجوھرۃ المضیۃ کی شرح النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ دو دن میں لکھ کر پیش کر دی جسے حضرت شیخ نے بہت پسند فرمایا۔

اسی سفر کی واپسی پر تین دن سخت طوفان رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے کفن پہن لئے والدہ ماجدہ کے اضطراب کو دیکھ کر بے ساختہ آپ کی زبان سے نکل گیا۔ آپ اطمینان رکھیں خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ تاہم آپ کو قسم کھانے پر تشویش لاحق ہوئی، کیونکہ آپ کو حدیث یاد آگئی کہ من یتال علی اللہ یکذبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا مانگی دربار رسالت سے مدد مانگی، وہ ہوائے مخالف جو تین دن سے شدت سے چل رہی تھی، دو گھڑی میں ختم ہو گئی۔

دوسری دفعہ آپ ۱۳۲۳ھ میں حج و زیارت کے لئے گئے — ہوا یوں کہ برادر اصغر مولانا محمد رضا خاں صاحب بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب اور اعلیٰحضرت کی اہلیہ محترمہ حج کو جانے والے تھے۔ اعلیٰحضرت انہیں رخصت کرنے لکھنؤ تک تشریف لے گئے، واپس آئے تو طبیعت مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے بے قرار تھی فرماتے ہیں ؎

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا، سارا تو سامان گیا

والدہ ماجدہ سے اجازت لی، اور احباب کے پاس پہنچکر شریک سفر ہو گئے چونکہ فرضی حج تو ادا کر چکے تھے اس لیے اس دفعہ اصل نیت مدینہ طیبہ کی حاضری کی تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

کعبہ کا نام تک نہ لیا، طیبہ ہی کہا،
پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے
ان کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیا،
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

جب جہاز عدن کے قریب پہنچا تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی، دوران نماز ایک عرب صاحب نے کہا: قبلہ اس طرف نہیں ہے لیکن اعلیحضرت نے اس کا کچھ خیال نہ کیا، کیونکہ آپ مؤامرۂ ہندسیہ سے عدن اور کامران کی سمت قبلہ نکال چکے تھے جب آپ نماز اور وظیفے سے فارغ ہوتے تو عرب صاحب سے پوچھا، اب سمت قبلہ کس طرف ہے اور اس سے پانچ منٹ پہلے کس طرف تھی اور حساب لگا کر انھیں سمجھایا کہ نماز سمت قبلہ پر ہی ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے تسلیم کر لیا۔

جدّہ پہنچتے ہی آپ کو بخار آگیا۔ تین دن آپ وہیں رہے لیکن بخار تھا کہ جانے کا نام نہ لیتا تھا۔ سوچا کہ چوتھے دن تو جدہ کے کھلے میدان میں رات بسر کرنی ہوگی کیا حالت ہوگی۔ سرکار اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی، بحمد اللہ معاً بخار جاتا رہا۔ جب بفضلہ تعالیٰ تمام مناسک حج بخیر و خوبی ادا ہو گئے تو تیرھویں ذوالحجہ کو بخار عود کر آیا اعلیحضرت نے فرمایا: اب آیا کیجئے ہمارا کام رب العزت نے پورا کر دیا۔

اس سفر کی تیاری یکایک خلاف توقع ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ آکر اسکی حکمت ظاہر ہوئی۔ ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ کو آپ حرم شریف کے کتب خانے میں تشریف لے گئے۔ وہاں متعدد علماء تشریف فرما تھے۔ مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے پرچہ نکال کر پیش کیا جس میں علم غیب کے متعلق پانچ سوال تھے (یہ وہی سوال تھے جنکا جواب شیخ صالح کمال نے لکھنا شروع کیا تھا مگر علم غیب کے موضوع پر اعلیحضرت کی مسلسل دو گھنٹے کی تقریر سنکر

اسے چاک کر دیا تھا، اور فرمایا، کچھ وہابیوں (مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی وغیرہ) جو بعض وزراء ریاست اور اہل ثروت کے ساتھ اس موقعے پر آئے ہوئے تھے، نے شریف مکہ شریف علی پاشا کے ذریعے یہ سوال پیش کئے ہیں اور ان کا جواب آپ سے مطلوب ہے۔ اعلیحضرت نے اسی وقت جواب لکھنے کے لئے قلم دوات طلب کی۔ تشریف فرما تمام علماء نے فرمایا کہ ہمیں اتنی جلدی جواب کی ضرورت نہیں بلکہ ایسا جواب ہو کہ نجدیوں کے دانت کھٹے ہو جائیں۔

اعلیحضرت نے دو دن کی مہلت لے کر بخار کی حالت میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب کو عربی میں جواب لکھوانا شروع کر دیا۔ اسی دوران حضرت شیخ الخطباء کبیر العلماء مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد کو مزاج حلا۔ تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ میں چلنے سے معذور ہوں اور آپ کا رسالہ سننا چاہتا ہوں۔ جتنے ورق لکھے گئے تھے، انہی کو لے کر اعلیحضرت ان کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے رسالہ سنکر فرمایا کہ اس میں علوم خمسہ کی بحث نہیں ہے اعلیحضرت نے فرمایا! چونکہ یہ بحث سوال میں نہ تھی۔ نیز اس جواب کو بہت جلد مکمل کرنا ہے اس لئے اس بحث کو شامل نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا میری خواہش ہے کہ یہ بحث ضرور آجانی چاہیئے۔ آپ نے وعدہ فرمایا اور رخصت ہوتے وقت ان کے زانوئے مبارک کو ہاتھ لگایا، حضرت موصوف نے فضل و کمال اور کبر سنی کے باوجود اسوقت انکی عمر شریف ستر سال سے زائد تھی، فرمایا: انا اقبّل ارجلکم وانا اقبل نعالکم میں تمہارے قدموں کو بوسہ دوں، میں تمہارے جوتوں کو بوسہ دوں۔

مختصر یہ کہ آپ نے بخار کی حالت میں مجموعی طور پر صرف آٹھ گھنٹوں میں علم غیب کے موضوع پر ایک عظیم اور لاجواب کتاب تصنیف فرما دی۔ جس میں بیشمار آیات واحادیث کے علاوہ علماء امت کے بکثرت اقوال محض خداداد حافظے کی بناء پر بیان کئے۔ یہ آپ کی زندہ وجاوید کرامت ہے۔ اس کتاب کا تاریخی نام آپ نے "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ
۲۳ ھ ۱۳
الغیبیۃ" رکھا۔

مولانا شیخ صالح کمال نے پہلے خود اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ پھر رات کے وقت شریف علی پاشا شریف مکہ کے شاہی دربار میں پیش کی اور علے الاعلان فرمایا: اس شخص (مولانا احمد رضا خاں

سنے وہ علم ظاہر کیا ہے جس کے انوار چمک اٹھے، اور جو ہماری خواب میں بھی نہ تھا۔ شریف مکہ نے آدھی رات تک نصف کتاب پوری توجہ سے سنی اور اسقدر متاثر ہوئے کہ بلند آواز سے فرمایا: اللہ یعطی وھٰؤلاء یمنعون اللہ تعالےٰ اپنے حبیب کو علم غیب دیتا ہے اور یہ لوگ (وہابی) انکار کرتے ہیں۔ مجلس برخاست ہوئی۔ شریف مکہ وہ نسخہ اپنے ساتھ ہی لے گئے، جو انہی کے پاس رہا۔

تمام مکہ مکرمہ میں اس بے مثال کتاب کا چرچا ہوگیا، اور مخالفین و منکرین کے چہروں پر اوس پڑگئی۔ اب تو مکہ معظمہ کے لڑکے بھی ان سے تمسخر کرتے کہ اب کچھ نہیں کہتے۔ اب وہ جوش کدھر گیا۔ اب وہ مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ کے لیے علوم غیب ماننے والوں کو کافر کہنا کدھر گیا۔ تمہارا کفر و شرک تمہیں پر پلٹ پڑا۔ اجلہ علماء نے اسکی نقلیں لیں اور بڑی دھوم دھام سے تقریظیں لکھیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے کچھ الدولۃ المکیہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔

اعلیٰحضرت کے استاذ الاساتذہ مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی حنفیہ سے کسی زمانے میں نوٹ کے مسائل کے متعلق پوچھا گیا۔ انہوں نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے مجھے اسکے متعلق کوئی جزیہ معلوم نہیں۔ اسی نوٹ کے متعلق اعلیٰحضرت سے بارہ سوالات پوچھے گئے۔ آپ نے نہایت مختصر وقت میں تفصیل کے ساتھ جوابات دیئے۔ اس رسالے کا تاریخی نام: کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ہے۔ اعلیٰحضرت ایک دن کتب خانے میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شاندار صاحب بیٹھے کفل الفقیہ کا مطالعہ کر رہے ہیں جب اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰحضرت نے فتح القدیر کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ اگر کوئی شخص کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے مکروہ نہیں۔ وہ صاحب پھڑک اٹھے، اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہنے لگے۔

این جمال بن عبداللہ من ھذا النص الصریح حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے۔

بے باکی اور بے خوفی تو آپ کی طبیعت ثانیہ تھی کسی کو شریعت کے خلاف کام کرتے ہوئے دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے اور بلا خوف تردید شدید تنبیہ سے بھی گریز نہ کرتے۔ ایک جمعہ میں آپ خطیب کے پاس تشریف فرما تھے۔ اس نے خطبہ میں پڑھا وارض عن اعمام نبیک الاطہار حمزۃ والعباس وابی طالب۔ ولے اللہ تو اپنے نبی کے پاکیزہ چچوں حمزہ عباس اور ابوطالب سے راضی ہوجا۔ یعنی ابوطالب کا بھی ذکر تھا، یہ نئی بدعت تھی۔ پہلی دفعہ کی حاضری کے موقعہ پر نہ تھی اور واضح تھا کہ یہ بدعت حکومت کی طرف سے تھی۔ اعلیٰحضرت نے سنتے ہی فوراً بلند آواز سے کہا: "اللّٰھم ھذا منکر" اے اللہ! یہ ناپسندیدہ بات ہے۔ یعنی آپ نے بحکم شریعت بری بات کو زبان سے روکنے کا فریضہ ادا کردیا۔ جبکہ دیگر حاضرین علماء میں سے کسی نے بھی اس بات کا نوٹس نہ لیا۔

آپ کی جلالت علمی کو دیکھ کر مکہ مکرمہ کے تمام علماء غایت احترام سے پیش آئے حدیث کی سندیں اور طریقت کی اجازتیں اور خلافتیں حاصل کیں۔

مدینہ طیبہ پہنچنے سے قبل ہی آپ کے علم و فضل کا شہرہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ اعلیٰحضرت مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے بیتاب تھے۔ لیکن شدید علالت سفر میں مانع تھی۔ ادھر مدینہ منورہ کے علماء ایک نظر آپ کی زیارت کرلینے کو بے قرار تھے۔ شیخ الدلائل مولانا شاہ عبدالحق مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے مخلص شاگرد حضرت مولانا کریم اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ہم سالہا سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں۔ اطراف و آفاق سے علماء آتے ہیں اور جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی بات نہیں پوچھتا۔ لیکن اعلیٰحضرت کے پہنچنے سے پہلے ہی علماء تو علماء اہل بازار تک آپ کی زیارت و ملاقات کے مشتاق تھے۔ چنانچہ جب مدینہ طیبہ میں آپ کی حاضری ہوئی اور آمد کی خبر سرعت پھیلی تو صبح سے عشاء تک آپ کے پاس علماء مدینہ کا ہجوم رہتا تھا۔ ملاقات و زیارت کرنے والوں کی بھیڑ بارہ بجے رات سے پہلے بیٹھنے کا نام نہ لیتی تھی۔

(تذکرۂ نوری ص ۷)

جب آپ مرکز حسن و جمال کی بارگاہ میں دل بے تاب اور روح بے قرار لے کر حاضر ہوئے۔ اسوقت دل میں یہ تمنا ابھری کہ کاش مجھے اس جمال جہاں آرا کی زیارت

بیداری کی حالت میں ہو جائے (خواب میں تو کئی دفعہ زیارت کر چکے تھے)، مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر دیر تک درود شریف پڑھتے رہے لیکن پہلی شب مراد بر نہ آئی۔ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ تھا ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں　　　ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

آخری شعر میں انتہائی انکساری اور بے کسی کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تری بات رضا　　　تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہ شریف میں پڑھ کر با ادب انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ قسمت جاگ اٹھی اور حضور اقدس صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی زیارت سے بیداری میں مشرف ہو گئے۔

منصب تجدید

حدیث شریف میں ہے: ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا۔ اللہ تعالٰے اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر دین کا مجدد بھیجتا ہے۔ (سنن ابو داؤد، مسند حسن بن سفیان، مستدرک الحاکم، معجم اوسط للطبرانی، کامل لابن عدی، مسند بزار، حلیہ ابو نعیم، مدخل للبیہقی، مشکوٰۃ شریف وغیرہ)

اس حدیث جلیل کی شرح میں شیخ الاسلام بدر الدین اہدال "رسالہ مرضیہ فی نصرۃ مذہب الاشعریہ" میں فرماتے ہیں:

(علامات المجدد انما ھو لغلبۃ الظن ممن عاصرہ بقرائن احوالہ والانتفاع بعلمہ ولا یکون المجدد الا عالما بالعلوم الدینیۃ الظاہرۃ والباطنۃ ناصرا للسنۃ قامعا للبدعۃ" یعنی مجدد کی شناخت حالات کے قرائن اور اسکے علم کے نفع پہنچانے سے حاصل ہوتی ہے۔ مجدد وہی ہوگا جو علوم دینیہ ظاہرہ و باطنہ کا عالم و عارف ہو۔ سنت کا مددگار اور بدعت کو اکھیڑنے والا ہو۔"

امام علامہ جلال الدین سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں:

والذی ینبغی ان یکون المبعوث علی راس المائۃ مشھورا معروفا مشارا الیہ وقد کان قبل کل مائۃ ایضا من یقوم بامر الدین وانما المراد بالذکر من انقضت المائۃ وھو حی عالم مشھور مشار الیہ۔

یعنی صدی کا مجدد وہ ہونا چاہیئے جو مشہور و معروف ہو۔ امور دینیہ میں مشار الیہ ہو۔ اس سے پہلے ہر صدی میں مجدد ہوئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مجدد گذشتہ صدی کے خاتمے پر اپنی زندگی میں شہرت رکھتا ہو۔

حدیث شریف ہمیں ہر صدی میں ایک مجدد کی تشریف آوری کی بشارت سناتی ہے ائمہ کرام پتہ دیتے ہیں کہ گذشتہ صدی کے آخری عصر میں جسکی شہرت ہو، اور موجودہ صدی میں بھی مرکز علوم سمجھا جاتا ہو۔ اس کے قدم مجدد کے قدم ہیں۔

اعلیحضرت کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے کے بعد آدمی بلا شک و شبہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ آپ ہی موجودہ صدی کے مجدد تھے۔ تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے ابتداء میں عرب و عجم کے علماء نے آپ کے علمی سکے کو تسلیم کیا آپ کی بلند پایہ تحقیقات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ حرمین طیبین کے علماء کے دست اقدس میں اعلیحضرت کا رسالہ مبارکہ "المعتمد المستند" ہے۔ وہ عظیم ہستیاں یوں زمزمہ سنج ہیں۔

علامہ کامل، استاذ ماہر، باریکیوں کا خزانہ، علوم کے مشکلات ظاہر و باطن کا کھولنے والا دریائے فضائل، علمائے محققین کی آنکھوں کی ٹھنڈک، امام پیشوا، روشن ستارہ۔ اعدائے اسلام کے تیغ براں، استاذ معظم، نامور مشہور، ہمارا سردار، جلیل القدر، دریائے ذخار، بحر ناپیدا کنار، کثیر الفہم، یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ علماء کرام ان کے فضائل پر گواہ۔

حرمین طیبین کے علماء کی طرف سے دیئے جانے والے القاب سے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند القاب پیش کئے گئے ہیں جن سے بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ ان جلیل القدر ہستیوں کے دلوں میں اعلیحضرت کی کس قدر تعظیم و محبت تھی۔

مصطفےٰ مولائے خیر الوریٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے احیاء کے لئے آپکی بے انتہا کوششیں اور ان گنت تصنیفات کسی باخبر سے مخفی نہیں۔ ایک ہزار کے

لگ بھگ آپ کی تصنیفات جہاں آپ کی جلالتِ علمی کی نشاندہی کرتی ہیں وہاں اس سے خدمت دین کی بے پناہ لگن کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ کی تمام تصنیفات میں قدرِ مشترک نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ بے دین اور گمراہ فرقوں کی تردید آپنے پوری قوت سے فرمائی اور بے شمار فتنوں کے تابوت پر آخری میخ نصب کر دی۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ نے ایک دفعہ عرض کی کہ آپ بے دینوں کا رد اس شدت سے نہ کیا کریں۔ تاکہ ہر شخص آپ کی تصنیفات کو دیکھ کر ان سے استفادہ کر سکے۔ اعلیٰحضرت کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور فرمایا: مولانا میں ان بے دینوں کا رد پوری شدت سے اس لئے کرتا ہوں کہ یہ لوگ دربار رسالت کی گستاخی کو بھول کر مجھے اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ بنالیں۔ مجھے اسکی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ مجھے کیا کہتے ہیں۔ اتنی دیر تو میرے آقا و مولیٰ کی گستاخی سے باز رہیں گے۔

آپ کی تصانیف کا سرتاج ترجمۂ قرآن مجید ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان میں ابتک اس پائے کا ترجمہ نہیں لکھا جاسکا۔ اصل کتاب (قرآن مجید) اگر منزل من اللہ ہے تو ترجمہ الہامی معلوم ہوتا ہے۔ اس ترجمے کا نام کنز الایمان (ایمان کا خزینہ) اسم با مسمّیٰ ہے اور کمال یہ کہ آپ حضرت صدر الشریعۃ مولانا امجد علی صاحب کو اس روانی سے ترجمہ لکھاتے جیسے حافظ قرآن مجید پڑھا کرتے ہیں۔

تاج کمپنی نے یہ ترجمہ مع تفسیر "خزائن العرفان" از صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہٗ شائع کیا تو مخالفین کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی کہ اب تو اس ترجمہ و تفسیر کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوگی اور ہمارا خود ساختہ سرمایۂ بدعت مذہب بے نقاب ہو کر رہ جائے گا۔ گکھڑ کے مولوی سرفراز صاحب صفدر نے "تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین" لکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور تحریف و خیانت کا حق ادا کر دیا۔ علمائے اہلسنت کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرنے کا نہایت گھٹیا طریقہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت علامہ صاحب القلم والبیان ابو الوفا مولانا غلام رسول صاحب سعیدی کو کہ انہوں نے بے انداز مصروفیات کے باوجود ایک مبسوط تحقیقی کتاب "توضیح البیان

لخزائن العرفان" لکھ کر سرفراز صاحب کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ یہ پاکیزہ کتاب مکتبہ نعیمیہ لاہور کی طرف سے شائع ہو کر نظر نواز اہل بصیرت ہو چکی ہے۔

اعلیٰحضرت کی ایک ہزار کے لگ بھگ تصنیفات میں فتاوی رضویہ کی بارہ جلدیں نہایت اہمیت رکھتی ہیں جس میں آپ نے ہزاروں مسائل کی وہ نفیس تحقیق و تدقیق فرمائی ہے کہ باید و شاید!

دو قومی نظریہ کی بنیاد

ہمارے اکثر و بیشتر مؤرخین کی ستم ظریفی اور سینہ زوری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جو لوگ انگریزوں کے اشاروں پر شب و روز معروف کار رہا کرتے تھے اور انہی کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دے کر افتراق و انتشار پھیلاتے تھے۔ بلکہ مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگ کر مسرت محسوس کرتے تھے، آج انہیں شہید اور مجاہد جیسے القاب سے مشہور کیا جاتا ہے، اور وہ لوگ جو کانگرس کے مہرے بنکر ہندوؤں کی خیرخواہی اور غلامی، مسلمانوں کی دشمنی اور بدخواہی میں پوری قوت صرف کیا کرتے تھے انہیں قلم کے زور اور پریس کی قوت کے ذریعے مسلمانوں کا محسن اور وطن عزیز پاکستان کا بانی قرار دینے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔

اسکے برعکس وہ حضرات جنہوں نے ببانگ دہل کفار سے نفرت دلائی اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا سبق سکھایا، اور وہ حضرات جنہوں نے پاکستان کے بنانے اور اسلامی ملک کے حاصل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ انہیں تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر تاریخ کے اوراق میں جگہ دینے سے بھی گریز کیا گیا۔ بلکہ یہ کوشش کی گئی کہ صفحۂ قرطاس پر ان عظیم جاں نثاروں کا ذکر بھی نہ آنے پائے۔

۱۸۸۵ء کے بعد ہندوؤں نے میدانِ سیاست میں قدم رکھا اور مسلمانوں کو یہ کہکر اپنے ساتھ ملانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی کہ ہندو مسلم بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں مشترکہ طور پر انگریز کے شیطانی پنجے سے نجات حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنی

چاہیے ۔ سادہ لوح مسلمان اور جھنکارتے ہوئے سکوں کے دلدادہ علما ۔ گاندھی کی چال میں آکر ہندوؤں کے ہمنوا بن گئے اور انھیں دل وجان سے پسند کرنے لگ گئے ۔ حتیٰ کہ گاندھی کو منبر پر بٹھا کر خود نیچے بیٹھ کر مسجدوں میں اس کی تقریریں سننے لگ گئے ۔ یہ نہ سمجھے کہ کافروں سے مسلمانوں کی دوستی کیسی ، اور ہندو ایسے مکار دشمن سے راہ و رسم اور ان کی اقتدا کیسی ؟

ایسے تاریک ماحول میں سب سے پہلے جو روشنی چمکی اور گونجدار آواز ابھری وہ علم و عرفان کے گہوارے بریلی ہی سے اٹھی تھی ۔ اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا ؛

"جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری ۔۔ پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری ۔ وہ تمھیں ملیچھ جانیں ، بھنگی مانیں ، تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے ، گندی ہو جائے ۔ سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں ۔۔ پیسے لیں تو دور سے یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوا لیں ، حالانکہ بحکم قرآن خود ہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس ، مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ ، جو تمھارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے ۔ وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ ۔ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا ۔ محبت مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا ، ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جن پر حبك الشيئ يعمي ويصم کا رنگ بھر گیا ۔۔ سب جانے دو خدا کو منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے ۔۔ جواز تھا تو یوں کہ کوئی کافر مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں ، نجس بت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد میں لے جاؤ ، اسے مسند مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بٹھاؤ ؟ مسلمانوں کو نیچا کھڑا کر کے اس کا وعظ سناؤ ۔۔ کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمھیں مل سکتی ہے ؟ حاشا ثم حاشا فلله الانصاف ! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا ، شرع مطہر پر افترا دھرنا ، احکام الٰہی دانستہ بدلنا ، سؤر کو بکری بنا کر نگلنا نہ ہوگا ؟ (المحجۃ المؤتمنۃ صـ [illegible])

یہ للکار علماء کے اس گروہ سے تھی جنہوں نے گاندھی کو جامع مسجد خیر الدین امرتسر میں منبر رسول پر بٹھایا اور دعا کی کہ "اے اللہ تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی امداد فرما" بلکہ ایک لیڈر نے تو یہاں تک گوہر افشانی کی کہ "زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے" (نعوذ باللہ من ذالك)

اعلیٰحضرت کے رفقا اور خلفا نے دو قومی نظریے کا پوری طرح پرچار کیا ۔۔ اور تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ آپ کے خلفاء صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی اور حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی رحمہما اللہ تعالےٰ نے تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی ۔ انہی حضرات کی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ (موجودہ) پاک و ہند کے ہر شہر میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں ۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس میں کانفرنس منعقد ہوئی ۔ تو پانچ ہزار کی کثیر تعداد میں علماء و مشائخ نے شرکت کی اور اسلام کے لئے ملک پاکستان حاصل کرنے کے لئے زندگیاں وقف کرنے کا عہد کیا ۔

تحریک پاکستان کی تائید جس بے باکی اور ہمت سے علمائے اہل سنت نے کی اس کی نظیر نہیں مل سکتی حضرت صدر الافاضل نے تو مولانا ابو الحسنات قادری رحمہ اللہ تعالےٰ سے اپنے عزم کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا کہ

"پاکستان کی تجویز سے "جمہوریت اسلامیہ" (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دست بردار ہونا مقصود نہیں خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں"

حق یہ ہے کہ علمائے اہلسنت اور زعمائے ملت کی ژرف نگاہی کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے ہر نازک مرحلے پر نہایت موزوں طریقے سے قوم کی راہنمائی کی اور بروقت قوم کو گمراہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا اور مخالفین کی کسی چال میں نہ آئے ۔ سنہ ۱۲۹۸ھ میں کچھ ہندوؤں نے ایک استفتا مرتب کر کے زید و عمرو کے ناموں سے علماء کی خدمت میں بھیجا سوال میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ عید قربانی کے موقعہ پر چونکہ گائے کی قربانی فتنہ و فساد کی موجب ہے اور اس کی وجہ سے امن عامہ میں خلل آتا ہے اسلئے اگر مسلمان گائے کی قربانی

چھوڑ دیں تو کیا حرج ہے۔

بعض علماء اس چال میں آگئے اور انہوں نے لکھ دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں علماء اہل سنت و جماعت نے مدلل طریقے سے بیان فرمایا کہ شریعت نے جو ہمیں اختیار دیا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں حق ہے۔ فتنے کا خوف ہو تو حکومت کی قوت کو اس طرف متوجہ کرنا چاہیے ہندوؤں کے لحاظ یا خوف کی وجہ سے اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز جائز نہیں۔

چند سال بعد پھر سوال ہوا حامیانِ شریعت نے پھر یہی جواب دیا اس سلسلے میں اعلیٰحضرت مولانا المفتی شاہ احمد رضا خان صاحب کا رسالہ مبارکہ انفس الفکر فی قربان البقر ۱۲۹۸ھ کا مطالعہ کیجئے اس کے ساتھ ساتھ اگر مجموعہ فتاوی مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا بھی مطالعہ کیا جائے تو مذکورہ بالا بیان مکمل کر سامنے آجائے گا۔

شہیدِ محبت کا آخری سفر

اعلیٰحضرت کی طبیعت مبارکہ علیل ہوئی تو علاج معالجے کے باوجود علالت بڑھتی ہی گئی آپ نے اپنی وفات سے ۲ گھنٹے ۱۷ منٹ قبل ایک وصیت نامہ لکھایا جس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ

رضا حسنین اور تم (صاحبزادوں سے خطاب) سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباعِ شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اللہ توفیق دے۔ والسلام (وصایا شریف)

اس پر بعض مخالفین تعصب کے عینک لگا کر دیکھنے والے بہت چیں بہ جبیں ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ مخالفین تمام عمر وہابیت کا پرچار کرتے رہتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ کوئی پیسے لے کر بھی وہابی ہوجائے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت دین متین محبت و عقیدت کے جامع مسلک اہل سنت و جماعت پر قائم و ثابت قدم رہنے کیلئے وصیت کرتے ہیں تو مخالفین بھڑک اٹھتے ہیں۔ اعلیٰحضرت کی آخری مجلس کی گفتگو کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔

وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتا رہا ہوں اور اس وقت بھی یہی عرض کرتا ہوں۔ (وصایا شریف)

اعلیٰحضرت نے وصیت میں یہ بھی فرمایا کہ اگر بطیبِ خاطر ممکن ہو تو ہفتے میں دو تین بار مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ وغیرہ چیزیں فاتحہ کے طور پر بھیج دیا کریں۔

متعصبین معاندین اس پر بھی ہرزہ سرائی کرتے ہیں حالانکہ اعلیٰحضرت جو اپنی حیاتِ مبارکہ میں طرح طرح سے فقراء اور غرباء کی امداد فرماتے رہے آخری وقت بھی انہیں رہ رہ کر غرباء کا خیال آتا تھا۔ مگر بُرا ہو سینہ زوری اور عناد کا کہ وہ اس کارِ خیر کو بھی تحسین کی نگاہ سے دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ جبکہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی امت دیوبند کے حکیم علی الاطلاق دنیا سے رخصت کے وقت وصیت فرما رہے ہیں کہ میری بیگم صاحبہ کا خیال رکھنا۔ مریدین اور معتقدین تھوڑا تھوڑا چندہ ہی جمع کرلیا کریں تو ان کا کام ہوجائے گا۔

ناظرین بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ تمام زندگی فقراء و غرباء کا خیال رکھنے والے بلکہ وصال کے وقت بھی انہی کا احساس رکھنے والے اور ساری زندگی اور موت کے وقت بیوی کا غم کھانے والے میں کس قدر فرق ہے۔ ہمیں اس بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۲۱ء کو جمعہ مبارکہ کے دن دو بج کر ۳۸ منٹ پر عین اذان کے وقت ادھر حی علی الفلاح کی پکار سنی ادھر آفتاب جہانتاب ہماری ظاہری نظروں سے اوجھل ہوگیا چہرۂ مبارکہ پر ایک نور کا شعلہ لپکا اور اعلیٰحضرت اس دارِ فانی سے کوچ کرکے اپنے ربِ قدیر کے دربار میں حاضر ہوگئے۔

چونکہ آپ پہلے ہی وصال محبوب کی بشارت پا چکے تھے اس لئے وقت وصال چہرۂ

انور پر کلفت کی بجائے مسرت و خوشی کی چمک نظر آرہی تھی۔ علامہ اقبال نے ایسے ہی حضرات کے متعلق کہا تھا ؎

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

اعلیٰحضرت نے اپنی وفات سے چار ماہ بائیس دن پہلے خود اپنے وصال کی خبر دی تھی اور اس آیت مبارکہ سے اپنے وصال کی تاریخ استخراج فرمائی تھی۔

ویطاف علیہم بآنیۃ من فضۃ واکواب
۴۰ ھ ۱۳

(یعنی خدام چاندی کے پیالے اور گلاس لئے انہیں گھیرے ہوئے ہیں)

محدث کچھوچھوی فرماتے ہیں کہ جب حضرت والد ماجد نے آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی تو بے ساختہ زبان پر آگیا رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ
۴۰ ھ ۱۳

ابجد کے لحاظ سے حساب کیا گیا تو آپ کی تاریخ وصال (سنہ ۱۳۴۰ھ) تھی۔
شمسی سال کے اعتبار سے آپ کی تاریخ وفات حسب ذیل تھی۔

امام الہدیٰ عبد المصطفےٰ احمد رضا علیہ الرحمہ
۲۱ ۶ ۱۹

اعلیٰحضرت بارگاہِ رسالت میں

ادھر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہو رہے ہیں ادھر ایک شامی بزرگ ٹھیک اسی تاریخ کو بیت المقدس میں خواب دیکھ رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم حاضر دربار ہیں مجلس پر سکوت طاری ہے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے۔ وہ شامی بزرگ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں فداک ابی وامی میرے ماں باپ آپ پر قربان کس کا انتظار ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احمد رضا کا انتظار ہے۔ انہوں نے عرض کی احمد رضا کون ہیں حضور نے فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

بیداری کے بعد پتہ چلا کہ اعلیٰحضرت احمد رضا ہندوستان کے بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور اب تک بقید حیات ہیں پھر تو وہ شوقِ ملاقات میں ہندوستان کی طرف چل پڑے بریلی پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ آپ جس محب رسول کی ملاقات کو تشریف لائے ہیں۔ وہ ۲۵ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔

مشہور ہے کہ علامہ شرف الدین بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ کو دربار رسالت میں قصیدہ خوانی کی بدولت چادر مبارک عنایت کی گئی تھی۔ حضرت شیخ سعدی کو نعت خوانی کی برکت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مورچھل جھلنے کی سعادت ملی تھی۔ اعلیٰحضرت کو تمام زندگی محبتِ رسول میں سرشار رہنے اور درس دینے کی وجہ سے نہ معلوم کیا کیا فیوض و برکات حاصل ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ محبوب رب العرش صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنے محب صادق کا بنفس نفیس انتظار فرما رہے ہیں۔

اے خداوند عالم اور اے شہنشاہِ مطلق فقیر پر تقصیر کی گزارش ہے کہ

احب الصالحین ولست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بندگیٔ مقبول اور اس مرد کامل کے طفیل ہمیں اتباع سنت اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرما اور اپنے دین متین کی خدمت سے سرفراز فرما۔ اے خالق کائنات ہماری جملہ تقصیرات کو اپنے لطف و کرم سے درگزر فرما اور ہمیں اس مرد کامل کی تعلیمات کو عام کرنے کی توفیق رفیق عطا فرما۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین
وبارک وسلم

محمد عبد الحکیم شرف لاھوری قادری بریلوی
صدر مدرس دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ
وناظم جمعیت علمائے سرحد پاکستان۔ ہری پور
ہزارہ

علم اور علماء کی فضیلت سے متعلق رسالہ مبارکہ

فضل العلم والعلماء

از افادات

رئیس المتکلمین رأس المدققین مولانا شاہ نقی علی خان

والد ماجد اعلیحضرت قدس سرہما

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالۡعٰلِمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ یہ چند فضائل و فوائد علم دین کے واسطے ترغیب مومنین کے لکھے جاتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم مدار کار اور قطب دین ہے فی الواقع کوئی کمال دنیا و آخرت میں بے اس صفت کے حاصل اور ایمان بے اس کے کامل نہیں ہوتا ؎

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

اسی جگہ سے کہتے ہیں کہ کوئی راہ جناب احدیت کی طرف علم سے قریب تر اور کوئی چیز خدا کے نزدیک جہل سے بدتر نہیں العلم باب اللہ الاقرب و

الجہل اعظم حجاب بینک و بین اللہ علم موجب حیات بلکہ عین حیات اور جہل مورث موت بلکہ خود موت ہے ولنعم ما قیل لا تعجب علی الجہول احلیتہ فذالک میت و ثوبہ کفن اگر خدا کے نزدیک کوئی شے علم سے بہتر ہوتی آدم علیہ السلام کو مقابلہ ملائکہ میں دی جاتی۔ تسبیح و تقدیس فرشتوں کی علم اسماء کے برابر نہ ٹھہری علم حقائق و دیگر علوم دینیہ کی بزرگی کس مرتبہ میں ہوگی ؎

قیاس کن زگلستان من بہار را

اللہ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ فرماتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًاۢ بِالۡقِسۡطِ

گواہی دی اللہ نے کہ کوئی بندگی کے لائق نہیں سوا اُس کے اور فرشتوں نے اور عالموں نے وہ بانصاف ہے:

اس آیت سے تین فضیلتیں علم کی ثابت ہوئیں اوّل خدائے عزوجل نے علماء کو اپنے اور فرشتوں کے ساتھ ذکر کیا اور یہ ایسا مرتبہ ہے کہ نہایت نہیں رکھتا دوم اُن کو فرشتوں کی طرح اپنی وحدانیت کا گواہ اور اُن کی گواہی کو وجہ ثبوت الوہیت قرار دیا سوم اُن کی گواہی مانند گواہی ملائکہ کے معتبر ٹھہرائی۔ دوسری آیت میں اپنی اور عالم کی گواہی کو کافی فرمایا

قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ

کہہ کافی ہے اللہ گواہ میرے اور تمہارے بیچ میں اور وہ شخص جس کے پاس علم کتاب کا ہے۔

تیسری آیت

يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ

یعنی اللہ تعالیٰ بلند کرے گا اُن لوگوں کے جو ایمان لائے تم میں سے اور اُن کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے

یہاں سے ثابت ہوا ہے کہ علم ایمان کی طرح بلندیٔ مراتب کا سبب ہے۔ چوتھی آیت

وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

اور پکے لوگ علم میں کہتے ہیں ہم ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

یہ آیت اہل علم کے کمال ایمان وعقل اور نہایت انقیاد پر دلالت کرتی ہے۔ پانچویں آیت

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

جز این نیست کہ ڈرتے ہیں اللہ کے بندوں میں سے علماء

اور وجہ اس حصر کی ظاہر ہے کہ جب تک انسان خدا کے قہر اور بے پروائی اور احوال دوزخ اور احوال قیامت کو بتفصیل نہیں جانتا حقیقت خوف وخشیت کی اُس کو حاصل نہیں ہوتی اور تفصیل ان چیزوں کی علما کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ چھٹی آیت

وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ

ولیکن ہو جاؤ تم اللہ والے بسبب کتاب جاننے تمہارے اور بسبب درس کرنے تمہارے کے۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ مقتضائے علم یہ ہے کہ آدمی تمام عالم سے علاقہ قطع کر کے خدا ہی کا ہو جاوے اور اُسی سے کام رکھے اسی واسطے عالم کو مولوی کہتے ہیں منسوب بمولی یعنی اللہ والا۔ ساتویں آیت

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

جو حکمت دیا گیا بہت بھلائی دیا گیا

اور ظاہر ہے کہ جو بہت بھلائی دیا گیا اُس کا مرتبہ بھی بہت بڑا ہو گا۔ آٹھویں آیت

وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ

یہ کہاوتیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے لئے اور نہیں سمجھتے اُن کو مگر جاننے والے

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کلام الٰہی کے بھید اور خدا کی باتوں کے اسرار علما کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نویں آیت

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

کہا اُن لوگوں نے جو علم دیئے گئے خرابی تم پر ثواب خدا کا بہتری اُس کے لئے جو ایمان لائے اور اچھا کام کرے۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ قدر و منزلت دار آخرت کی علما ہی خوب جانتے ہیں۔ دسویں آیت

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ

تو کہہ کیا برابر ہیں وہ لوگ کہ جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے

یعنی جاہل کسی طرح عالم کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ ترمذی نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر ہوا ایک عابد دوسرا عالم آپ نے فرمایا

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ

بزرگی عالم کی عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے کمتر پر

اور وارد ہوا کہ جب پروردگار قیامت کے دن اپنی کرسی پر واسطے فیصلے بندوں کے بیٹھے گا۔ علما سے فرمائے گا

اِنِّیْ لَمْ اَجْعَلْ عِلْمِیْ وَحِلْمِیْ فِیْکُمْ اِلَّا وَاَنَا اُرِیْدُ اَنْ اَغْفِرَ لَکُمْ وَلَا اُبَالِیْ۔

خلاصہ معنی یہ ہے کہ میں نے اپنا علم و حلم تم کو صرف اسی ارادہ سے عنایت کیا کہ تم کو بخش دوں اور مجھے کچھ پروا نہیں۔ بیہقی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ بڑا جواد ہے اور میں سب آدمیوں میں بڑا سخی ہوں اور میرے بعد اُن میں بڑا سخی وہ ہے جس نے کوئی علم سیکھا پھر اُس کو پھیلا دیا۔ ذہبی نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن علما کی دواتوں کی سیاہی اور شہیدوں کا خون تولا جائے گا روشنائی اُن کی دواتوں کی شہیدوں کے خون پر غالب آئے گی۔ احیاء العلوم میں مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ قیامت کے دن عابدوں اور مجاہدوں کو حکم دے گا بہشت

میں جاؤ علما عرض کریں گے الٰہی انہوں نے ہمارے بتلانے سے عبادت کی اور جہاد کیا حکم ہوگا تم میرے نزدیک بعض فرشتوں کے مانند ہو شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہو پس شفاعت کریں گے پھر بہشت میں جاویں گے اور حدیث شریف میں آیا کہ جو شخص طلب علم میں مر جائے گا خدا سے ملے گا درانحالیکہ اُس میں اور پیغمبروں میں درجہ نبوت کے سوا کوئی درجہ نہ ہوگا اور حدیث میں آیا ہے جو شخص ایک باب علم کا اوروں کے سکھانے کیلئے سیکھے اُس کو ستر صدیقوں کا اجر دیا جاوے اور معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طلب علم میں سفر کرتا ہے فرشتے اپنے بازوؤں سے اُس پر سایہ کرتے ہیں اور مچھلیاں دریا میں اور آسمان و زمین اُسکے حق میں دعا کرتے ہیں۔ امام غزالی نے روایت کیا کہ عالم کو ایک نظر دیکھنا سال بھر کی نماز و روزہ سے بہتر ہے بخاری اور ترمذی نے بسند صحیح روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

خدائے تعالیٰ جسکے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین میں دانشمند کرتا ہے۔

اشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ کوئی آدمی اپنے انجام سے واقف نہیں ہوتا سوا فقیہ کے کہ باخبار مخبر صادق جانتا ہے۔ اُس کے ساتھ خدا نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے درمختار میں اسمعیل بن ابی رجاء سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد کو خواب میں دیکھا حال پوچھا کہا مجھے خدا نے بخش دیا اور فرمایا اگر میں تجھ پر عذاب کرنا چاہتا علم عنایت نہ فرماتا ابوداؤد نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طلب علم میں ایک راہ چلے خدا اُسے بہشت کی راہوں سے ایک راہ چلاوے گا اور بیشک فرشتے اپنے بازو طالب علم کی رضامندی کے واسطے بچھاتے ہیں اور بیشک عالم کے لیے استغفار کرتے ہیں سب زمین والے اور سب آسمان والے یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں اور بیشک فضل عالم کا عابد پر ایسا ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی بزرگی سب ستاروں پر اور بیشک علما وارث انبیاء کے ہیں اور بیشک پیغمبروں نے درہم و دینار میراث نہ چھوڑی علم کو میراث چھوڑا ہے پس جو علم حاصل کرے اُس نے بڑا حصہ حاصل کیا اور صحیح مسلم کی حدیث میں وارد ہو کہ جو شخص طلب علم میں کوئی راہ چلے گا خدا اُس کے لیے بہشت کی راہ آسان کرے گا اور جب کچھ لوگ خدا کے گھروں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ پڑھتے ہیں اور آپس میں درس کرتے ہیں اُن پر سکینہ

نازل ہوتا ہے اور رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے اُن کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اور خدا اپنے پاس والوں کے سامنے اُن کا ذکر کرتا ہے یعنی فرشتوں پر اُن کی خوبی اور اپنی رضامندی اُن سے ظاہر فرماتا ہے۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے عالم کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز اور ہزار بیماروں کی عیادت اور ہزار جنازوں پر حاضر ہونے سے بہتر ہے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اور قرأت قرآن یعنی کیا عالم کی مجلس میں حاضر ہونا قرأت قرآن سے بھی افضل ہے فرمایا آیا قرآن بے علم کے نفع بخشتا ہے یعنی فائدہ قرآن کا بے علم کے حاصل نہیں ہوتا۔ امام محی السنۃ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے اور وجہ اسکی ظاہر ہے کہ عابد اپنے نفس کو دوزخ سے بچاتا ہے اور عالم ایک عالم کو ہدایت فرماتا ہے اور شیطان کے مکر و فریب سے آگاہ کرتا ہے اور ترمذی کی حدیث میں ہے بہ تحقیق اللہ اور اُس کے فرشتے اور سب زمین والے اور سب آسمان والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور یہاں تک کہ مچھلی یہ سب درود بھیجتے ہیں علم سکھانے والے پر جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نزدیک تر لوگوں کے درجہ نبوت سے علما و مجاہدین ہیں یعنی ان کا مرتبہ پیغمبروں کے مرتبہ سے بہ نسبت تمام خلق کے قریب ہے کہ اہل علم اُس چیز پر جو پیغمبر لائے دلالت کرتے ہیں اور اہل جہاد اسی چیز پر کہ پیغمبر لائے۔ تلواروں سے لڑتے ہیں۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب آدمی مرتا ہے اُس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزوں سے کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ گیا یا ایسا علم جس سے لوگوں کو نفع ہو یا لڑکا صالح کہ اُس کے واسطے دعا کرے یعنی تین چیزوں کا فائدہ مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سے ارشاد ہوا اے ابراہیم میں علیم ہوں ہر علیم کو دوست رکھتا ہوں یعنی علم میری صفت ہے اور جو میری اس صفت پر ہے وہ میرا محبوب ہے۔ مولیٰ علی فرماتے ہیں کہ عالم روزہ دار شب بیدار مجاہد سے افضل ہے۔ کسی نے مجتہد ابوبکر سے پوچھا کہ فقیہ کو قرأت قرآن بہتر ہے یا درس فقہ فرمایا ابو مطیع سے منقول ہے کہ ہمارے اصحاب کی کتابوں کو بغیر قصد سیکھنے کے دیکھنا شب داری سے بہتر ہے

ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے ایک مسئلہ سیکھنا رات بھر کی عبادت سے زیادہ عزیز ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہزار عابد قائم اللیل صائم النہار کا مرنا ایک عالم کی کہ خدا کے حلال و حرام پر صبر کرتا ہے۔ موت کے برابر نہیں۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں عالم باعمل کو ملکوت آسمان میں عظیم یعنی بڑا شخص کہتے ہیں۔ اسی طرح فضائل و فوائد اس صفت کے اخبار و آثار میں بے شمار وارد ہیں صرف یہ بات کہ وہ صفت جناب احدیت اور حضرت رسالت کی ہے اس کی فضیلت میں کفایت کرتی ہے بھلائی دونوں جہان کے علم سے حاصل ہوتی ہے اور سعادت دارین بوسیلہ اس صفت کے ہاتھ آتی ہے جاہل درحقیقت حیوان مطلق ہے کہ فصل انسان کی ناطق ہے پس آدمی کو لازم ہے کہ اس دولت عظمیٰ کے تحصیل میں کوشش کرتا رہے اور اس کے موانع کو دفع کرے اور موانع اس صفت کے آٹھ ہیں۔ مانع اول شیطان کہ جس قدر عداوت علم سے رکھتا ہے۔ اور صفت سے نہیں رکھتا اور جس قدر وسوسے اس کام سے روکنے کے لئے دل میں ڈالتا ہے کسی کام سے روکنے کے لیے نہیں ڈالتا مگر طریق دفع اس کا سہل ہے کہ جب مسلمان علم کی فضیلت و بزرگی اور طلب علم کے ثواب کہ گذشتہ اس کا مذکور ہوا تصور کرے گا شیطان کی بات ہرگز نہ سنے گا آیہ و حدیث کے مقابلہ میں اس ملعون کا وسوسہ کیا اعتبار رکھتا ہے۔ دوم نفس کہ محنت و مشقت سے متنفر اور آسائش و راحت کی طرف مائل ہے لیکن جب آدمی خیال کرتا ہے کہ دنیا دار فانی اور آخرت عالم جاودانی ہے اگر یہاں طلب علم میں تھوڑی محنت کہ ہزاروں لطف و کیفیت سے خالی نہیں اختیار کروں گا اس عالم میں بڑے بڑے مرتبے پاؤں گا تو محنت و مشقت اسے سہل ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بعد ایک عرصہ کے ایسا مزہ اور لطف حاصل ہوتا ہے کہ اگر ایک روز کتاب نہیں دیکھتا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ سوم خلق کہ تعلق اس سے تحصیل علم کو مانع ہوتا ہے لیکن ابتدا امر میں تھوڑا وقت اس کام کے واسطے خاص کر سکتا ہے اور جب کیفیت علم کی حاصل ہوتی ہے از خود کتاب کے سوا تمام عالم سے نفرت ہو جاتی ہے ؎

ہمنشینے بہ از کتاب مخواہ — کہ مصاحب بود گہہ و بیگاہ
اینچنیں ہمدم و رفیق کہ دید — کہ نرنجید و ہم نرنجانید

مانع چہارم طلب عزت اور ادنیٰ تامل سے ظاہر ہوتا ہے کہ عزت دنیا کی عزت آخرت کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی جو شخص دنیا کے لیے علم کو کہ عزت آخرت کا سبب ہے ترک کرتا ہے درحقیقت اپنی جان ذلت میں ڈالتا ہے اور جو علم کو دنیا کی جاہ و حشمت پر ترجیح دیتا ہے خدائے عزوجل اسے دنیا کی عزت بھی عنایت کرتا ہے۔ ابو الاسود کہتے ہیں کہ علم سے کسی چیز کی عزت زیادہ نہیں بادشاہ سب لوگوں کے حاکم ہیں اور علما بادشاہوں کے دیکھو اس زمانہ میں بھی جو کچھ علما لکھ دیتے ہیں حکام وقت اہل اسلام کے مقدمات میں اس پر عمل کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو علم اور مال میں مخیر کیا گیا کہ ملک و مال لو یا علم اختیار کرو آپ نے علم اختیار کیا ملک و مال بھی حاصل ہوا۔ اے عزیز علم سے بہتر کوئی چیز نہیں آدم علیہ السلام کو علم آسمانی مسجود ملائکہ اور حضرت خضر کو علم لدنی نے استاذ موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر نے مصر کی بادشاہی اور سلیمان علیہ السلام کو علم منطق الطیر نے بلقیس سی عورت اور مریم کو علم عیسے علیہما السلام نے تشنیع قوم سے نجات دی ایک نکتۂ علمی نے مور ضعیف کا یہ مرتبہ کیا کہ پروردگار نے اس کا قصہ قرآن میں بیان فرمایا جو شخص علم کی قدر و منزلت جانتا ہے سلطنت ہفت کشور اس کے نزدیک کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی نقل ہے کہ ایک امیدوار بادشاہ کے دربار میں گیا۔ بادشاہ نے کہا تو جاہل ہے۔ ہماری خدمت کے لائق نہیں اس نے امام غزالی سے علم حاصل کیا اور اس کی لذت اور دنیا کی آفت اور صحبت ملوک و امرا کی مضرت سے واقف ہوا ایک روز بادشاہ نے اسے بلایا اور امتحان کے بعد فرمایا اب تو ہماری ملازمت کے لائق ہو گیا جو عہدہ چاہے حاضر ہے اس نے کہا جب میں آپ کے کام کا نہ تھا اور اب آپ میرے کام کے نہیں جب آپ نے مجھے پسند نہ کیا اور اب میں آپ کو پسند نہیں کرتا۔ مانع پنجم تحصیل مال اور ظاہر ہے کہ ثروت فانی اس دولت باقی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ مال رہ جاتا ہے اور علم قبر میں ساتھ جاتا ہے اور ہر وقت مدد کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ بہشت میں لے جاتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم پڑھانے سے بڑھتا ہے مالدار مال کا نگہبان ہے۔ اور

علم عالم کی نگہبانی کرتا ہے علاوہ بریں جو شخص خدا کے واسطے تحصیل مال پر طلب علم کو ترجیح دیتا ہے خدا اُسے محتاج نہیں رکھتا۔ امام غزالی احیاء العلوم میں روایت کرتے ہیں۔ من تفقہ فی دین اللہ عزوجل کفاہ اللہ تعالیٰ ما اھمہ ورزقہ من حیث لا یحتسب جو شخص دین خدا میں دانائی حاصل کرتا ہے خدائے تعالیٰ جل شانہ اُس کو اُس چیز سے کہ غمگین کرے کفایت کرتا ہے اور اُس کو ایسی جگہ سے کہ نہیں جانتا رزق پہنچاتا ہے۔

مانع ششم خطرہ مآل کہ جب آدمی قلت عمر اور کمی فرصت کو خیال کرتا ہے گھبرا کر کہتا ہے کہ علم بحر بے کنار ہے اس تھوڑے وقت میں عبور اُس سے دشوار ہے اور یہ محض جہالت ہے ہر چند کمال اس دولت کا کسی کو حاصل نہیں ہوتا یہاں تک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے قل رب زدنی علماً مگر کوئی طالب علم محروم بھی نہیں رہتا نتیجہ علوم دینیہ کا کسی حد پر موقوف نہیں جس قدر حاصل ہوگا فائدہ بخشے گا بالفرض اگر مطلب کو نہ پہنچیگا اور اسی طلب میں مر جائے گا۔ قیامت کے دن علما کے گروہ میں اُٹھے گا۔ یہ فائدہ کیا کم ہے جو مآل کا اندیشہ اور غم ہے۔ و مثنہ درمن قال در راہ تو بمیرم گرچہ نرانہ بیم بارسے خلاص یابم از ننگ زندگانی فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں کہ جو شخص عالم کی مجلس میں جاوے اُس کو سات فائدے حاصل ہوتے ہیں اگرچہ اُس سے استفادہ نہ کرے اول جب تک اُس مجلس میں رہتا ہے گناہوں اور فسق و فجور سے بچتا ہے۔ دوم طلبہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ سوم طلب علم کا ثواب پاتا ہے۔ چہارم اُس رحمت میں کہ جلسہ علم پر نازل ہوتی ہے شریک ہوتا ہے۔ پنجم جب تک علمی باتیں سنتا ہے عبادت میں ہے۔ ششم جب کوئی دقیق بات اُن کی اس کی سمجھ میں نہیں آتی دل اس کا ٹوٹ جاتا ہے اور شکستہ دلوں میں لکھا جاتا ہے ہفتم علم و علما کی عزت اور جہل و فسق کی ذلت سے واقف ہو جاتا ہے کہتا ہوں میں جو ثواب کہ عالم کی زیارت اور اُن کی مجلس میں حاضر ہونے پر موعود ہے اس سے علاوہ ہے مانع ہفتم نہ ملنا استاد شفیق کا مانع ہشتم فکر معاش اور مراد اُس سے بقدر ضرورت ہے کہ زائد زائد ہے اور یہ دونوں بہ نسبت اور موانع کے قوی ہیں کہ جب استاد شفقت سے نہ پڑھاوے گا شاگرد کو کیا آویگا اور جس کو رزق نہ ملے گا علم پر کس طرح محنت کریگا ع

پراگندہ روزی پراگندہ دل

اور بڑی وجہ اُن کی قوت کی یہ ہے کہ دفع اُن کا طلبہ کے اختیار میں نہیں ہاں رؤسا کرام اور اغنیاء اہل اسلام اگر ایک دو مدرس اور کسی قدر وظیفہ طلبہ کے واسطے مقرر کر دیں تو طلبہ اُن دونوں موانع سے نجات پاکر بفراغ خاطر طلب علم میں کوشش کریں اور جس قدر ثواب پڑھانے اور پڑھنے والوں کو کہ حد و نہایت نہیں رکھتا ملے اُس قدر بلکہ اُس سے زیادہ مدرسہ جاری کرنے والوں خصوصاً اُس شخص کو جو اوروں کو اس امر خیر کی ترغیب دے حاصل ہو صحیح حدیث میں آیا ہے الدال علی الخیر کفاعلہ بھلائی پر دلالت کرنے والا مانند بھلائی کرنے والے کے ہے سوا اس کے صحاح ستہ کی اور کئی حدیثیں بھی اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اور یہ بھی سمجھ لو کہ اجر اعمال کا باعتبار اوقات و احوال کے مختلف ہوتا ہے اسی واسطے ثواب صحابہ کرام کا جنہوں نے ابتدائے اسلام میں ترویج علم اور تائیدوں میں جانثاری اور کوشش کی اور لوگوں کے ثواب سے مراتب زیادہ ہے پس جو لوگ اس زمانہ میں کہ وقت غربت اسلام ہے ترویج علم اور تائید دین میں کوشش کریں گے اگلے بادشاہوں اور امیروں سے جنہوں نے اس باب میں سعی کی وہ زیادہ ثواب پاویں گے کہ وہ بہ نسبت ان کے زیادہ قدرت اور ثروت رکھتے تھے اور اُن کے وقت میں علم کی روز بروز ترقی تھی بخلاف اس زمانہ کے کہ خلق محبت دنیا میں مشغوف اور ہمہ تن اُس کی طلب میں مصروف ہے اور علم دین کم ہوتا جاتا ہے نہ کوئی پڑھتا ہے نہ پڑھاتا ہے اگر یہی صورت رہی تو چند عرصہ میں علم کا نشان ان ملکوں میں باقی نہ رہے گا اور جب علم نہ رہے گا دین بھی نہ رہے گا عوام فرائض و واجبات اور احکام صوم و صلوٰۃ کس سے دریافت کریں گے۔ اور شیطان کے وسوسوں اور اُس کے اعتراضوں کے جواب کس سے پوچھیں گے آخر کار گمراہ ہو جاویں گے اور جو لوگ تقلیداً دین پر ثابت رہیں گے نام کے مسلمان رہ جاویں گے۔ امام محی السنۃ بغوی سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ ہلاک خلق کی علامت موت علما کی ہے یعنی جب علما مر جاویں گے لوگ ہلاک ہو جاویں گے اور عطار خراسانی قولہ تعالیٰ انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نقصان زمین سے علما اور فقہا کی موت مراد ہے کہ جب علما نہ رہیں گے خلق بیلوں اور گدھوں کے مانند عقل سے بے بہرہ

اور شتر بے مہار کی طرح بے باک اور بے قید ہو جاویں گے اُس وقت انتظام عالم درہم و برہم ہو جائے گا اور قتل و غارت اور وبا و طاعون کی کثرت ہوگی پس زمین چار طرف سے ویران اور خلق روز بروز کم ہوگی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ مقصود پیدائش عالم سے معرفت و عبادت ہے اور جب عالم نہ رہیں گے عبادت کون کرے گا اور جب عالم ان دونوں سے خالی ہو جاوے گا اور مقصود پر مشتمل نہ رہے گا۔ نکما اور مٹانے کے قابل ٹھہرے گا اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ جس طرح دین کا باقی رہنا بے علم دشوار ہے اسی طرح بقائے عالم بھی بے اُن کے بیکار پس اس دولت کو کھونا دونوں عالم کی زندگی سے ہاتھ دھونا ہے۔ اے مسلمانوں خدا کے واسطے خواب غفلت سے بیدار ہو اور علم دین کہ آمادۂ سفر آخرت ہے کو روکو دنیا کے جھگڑوں میں شب و روز مشغول رہتے ہو کسی وقت تو ادھر بھی توجہ کرو ہزاروں روپیہ آسائش فانی کے واسطے صرف کرتے ہو کچھ تو راحت جاودانی کے لئے خرچ کرو کہ وہاں تمہارے کام آوے اور یہاں تم کو ہر بلا سے بچاوے ایک عرصہ کے بعد ندامت اُٹھاؤ گے ہر چند کوشش کرو گے اس دولت کو نہ پاؤ گے بعض صاحب ایسی باتیں سن کر تین عذر پیش کرتے ہیں اول کہتے ہیں کہ ہم نادار اور قرضدار ہیں سو اگر یہ بیان غلط ہے جب تو بڑا ہی غضب ہے بالفرض اگر خلق نے سچ جانا خدا کے نزدیک تو جھوٹے ٹھہریں گے اور جو سچ ہے تو دنیا کے کاموں میں ہزاروں روپیہ بے فائدہ اٹھانا اور خدا کے کام میں تامل سوچنا نری ناشکری ہے اگر قرض سے ڈرتے سامان امارت اور تکلفِ ریاست دور کرتے۔ دوم کہتے ہیں کہ ہم اپنی توفیق کے موافق دوسرے امر خیر میں صرف کرتے ہیں سو اگر ہو سکے اس میں بھی صرف کریں نہیں تو دونوں کاموں کو میزان عقل سے تولیں جس میں زیادہ ثواب دیکھیں اختیار کریں سوم کہتے ہیں یہ کام کچھ فرض نہیں جس کو خدا توفیق دے کرے ہم سے تو فرائض بھی ادا نہیں ہو سکتے سو یہ کیا ضرور ہے جو روزہ نہ رکھے نماز بھی نہ پڑھے۔ فرائض بھی ادا کریں اور علم فرائض کی ترویج میں بھی مشغول رہیں اگر زیادہ نہ ہو سکے بقدر زکوٰۃ ہی کے دیں کہ زکوٰۃ خدا کا قرض اور اُن پر فرض ہے اگر یہاں نہ دیں گے قیامت کے دن سخت مصیبت میں پڑیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ

جو لوگ جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی اور اُس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو بشارت دے ساتھ دکھ دینے والی مار کے گرم کیا جائے گا وہ سونا چاندی دوزخ کی آگ میں پھر داغی جاویں گی اُس سے اُن کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں۔

ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ

یعنی پھر اُن سے کہا جاوے گا یہ وہ ہے جو تم نے جمع کیا اپنی جانوں کے لیے پس چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔

اور یہ بھی سمجھ لو کہ غنی طالب علم کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اگر طلب علم میں کسب کی فرصت نہ رکھتا ہو درمختار میں لکھا ہے

وَبِھٰذَا التَّعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ لعجزہ عن الکسب والحاجۃ داعیۃ الی ما لا بد منہ ھکذا ذکرہ المصنف

اور جو اہل زکوٰۃ اغنیا طالب مہتمم مدرسہ سے کہدیں کہ ہمارا روپیہ محتاج طلبہ کو دیا کرو بہتر ہے۔

ھٰذَا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ

الّفہٗ العبد المفتقر الی اللہ الغنی محمد نقی علی البریلوی عفی عنہ

سُنّی مسلمانوں کے دین و دنیا کا بھلا لازوال دولت اور بہت آسان

صَلَّی اللہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا
عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ

بعد نماز جمعہ مجمع کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف مونہہ کرکے دست بستہ کھڑے ہو کر سو بار پڑھیں جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو جمعہ کے دن نماز صبح خواہ ظہر یا عصر کے بعد پڑھیں جو کہیں اکیلا ہو تنہا ہی پڑھے یوں ہی عورتیں اپنے اپنے گھروں میں پڑھیں۔

اس کے فائدے جو صحیح و معتبر حدیثوں سے ثابت ہیں

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے گا جو اُن کی عظمت تمام جہان سے زیادہ دل میں رکھے گا جو اُن کی شان گھٹانے والوں اُن کے ذکر پاک مٹانے والوں سے دور رہیگا دل سے بیزار ہوگا ایسا جو کوئی مسلمان اسے پڑھے گا اُس کے لئے بیشمار فائدے ہیں جن میں سے بعض لکھے جاتے ہیں۔

۱- اس کے پڑھنے والے پر اللہ عزوجل اپنی تین ہزار رحمتیں اتارے گا۔

۲- اس پر دو ہزار بار اپنا سلام بھیجے گا۔

۳- پانچ ہزار نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں لکھے گا۔

۴- اُس کے پانچ ہزار گناہ معاف فرمائے گا۔

۵- اُس کے پانچ ہزار درجے بلند فرمائے گا۔

۶- اُس کے ماتھے پر لکھ دے گا کہ یہ منافق نہیں۔

۷- اُس کے ماتھے پر تحریر فرما دے گا کہ یہ دوزخ سے آزاد ہے۔

۸- اسے قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ رکھے گا۔

۹- پانچ ہزار بار فرشتے اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں حضور پر درود و سلام عرض کرتا ہے حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہر مرتبہ کے درود و سلام پر فرمائیں گے فلاں بن فلاں پر میری طرف سے سلام اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں۔

۱۰- جتنی دیر اس میں مشغول رہے گا اللہ کے معصوم فرشتے اُس پر درود بھیجتے رہیں گے

۱۱- اللہ تعالیٰ اُس کی تین سو حاجتیں پوری فرمائے گا دو سو دس حاجتیں آخرت کی اور نوے حاجتیں دنیا کی

۱۲- اُس کے مال میں ترقی دے گا ۱۳- اُس کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت رکھیگا۔

۱۴- دشمنوں پر غلبہ دے گا ۱۵- دلوں میں اُس کی محبت رکھیگا

۱۶- کسی دن خواب میں زیارت اقدس سے مشرف ہوگا۔

۱۷- ایمان پر خاتمہ ہوگا ۱۸- اُس کا دل منور ہوگا

۱۹- قبر و حشر کے ہولوں سے پناہ میں رہیگا۔

۲۰- قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایہ میں ہوگا جس دن اُس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا

۲۱- رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شفاعت اُس کے لئے واجب ہوگی۔

۲۲- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن اُس کے گواہ ہوں گے۔

۲۳- میزان میں اُس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا۔

۲۴- قیامت کے دن پیاس سے محفوظ رہیگا ۲۵- حوض کوثر پر حاضری نصیب ہوگی۔

۲۶- صراط پر آسانی سے گزرے گا ۲۷- قبر و حشر میں اُس کے لئے نور ہوگا

۲۸- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نزدیک ہوگا

۲۹- قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اُس سے مصافحہ فرمائیں گے۔

۳۰- اللہ عزوجل اس سے ایسا راضی ہوگا کہ کبھی ناراض نہ ہوگا۔

اللھم ارزقناہ بجاہ حبیبک وآلہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیھم وبارک وسلم ابدا آمین

مجمع کا حکم یہی حدیث میں ہے اور اس کے فوائد یہ ہیں

۳۱۔ زمین سے آسمان تک فرشتے ان کے گرد جمع ہو کر سونے کے قلموں سے چاندی کے ورقوں پر اُن کا درود لکھیں گے۔

۳۲۔ ان سے کہیں گے ان ذکر کرو اللہ تم پر رحمت کرے زیادہ کرو اللہ تمہیں زیادہ دے

۳۳۔ جب یہ مجمع درود شروع کرے گا آسمان کے دروازے اُن کے لئے کھول دیئے جائیں گے۔

۳۴۔ ان کی دعا قبول ہو گی ۳۵۔ حور العین انہیں نگاہ شوق سے دیکھیں گی۔

۳۶۔ اللہ عزوجل ان کی طرف متوجہ رہے گا یہاں تک کہ یہ متفرق ہو جائیں اور باتیں کرنے لگیں۔

۳۷۔ رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لے گی ۳۸۔ سکینہ ان پر اُترے گا

۳۹۔ اللہ عزوجل عالم بالا میں ان کا ذکر فرمائے گا۔

۴۰۔ سارا مجمع بخش دیا جائے گا ان کی برکت ان کے ہم نشین کو بھی پہنچے گی وہ بھی بخشا جائے گا۔ کل ذالک علی فضل اللہ واللہ ذو الفضل العظیم۔

فقیر احمد رضا قادری نے اپنے سُنی بھائیوں کو اس مبارک صیغہ کی اجازت دی بجبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدگویوں وہابیہ وغیرہم سے دور رہیں اور اسے پڑھ کر اس گنہگار کے لئے عفو و عافیت دین و دنیا و آخرت و حصول مرادات حسنہ کی دعا فرما لیا کریں۔ یقین رکھیں کہ یہ فقیر حقیر ان سب کے لئے دعا کرتا ہے جو ایسا کریں اللہ تعالیٰ توفیق دے اور قبول فرمائے۔ آمین

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

از بریلی ۸۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ ہجریہ قدسیہ علیٰ صاحبہا و آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ

آمین

زندۂ جاوید خوشبوئیں ارباب قلم کی نظر میں

علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب فرماتے ہیں :

صرف نفحات الخلود عربی ادب کی ایک خوبصورت اور اثر و تاثیر سے پُر کتاب ہے۔ مصنف کی زبان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جاحظ اور جمال الدین محمد بن مکرم اصفہانی کے وزن کا آدمی تھا فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ خوشبو فقراء اور درویشوں کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص ہونے کے ناطے اپنی گفتگو میں کوئی لفظوں کی [illegible] شامل نہیں ہونے دیتا اور وہ اپنی زبان کو جادۂ اسلامی تہذیب کے دائرے میں رکھتا ہے۔ اس کے قلم کی نوک سے حرف وہ [illegible] نکلتے ہیں جن کا تعلق اسلامی اور روحانی تہذیب سے ہوتا ہے۔ وہ بلا مقصد کوئی لفظ نہیں لکھتا بلکہ پوری سعی کرتا ہے کہ قاری قلم کے پیچھے نہیں جاتا بلکہ قلم اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔

اور قاری کی رو ایک ہی نشان کی طرف ہوتی ہے اور وہ ہے محبتِ رسول اکرم ﷺ۔ مختصر صالح [illegible] کی فکر ایک شمع کی طرح ہے۔ وہ جانتا ہے کہ [illegible] نوجوان ہوتے ہیں [illegible] کوششیں [illegible] اور اسکے جرأت [illegible] نوجوان [illegible] وہ انہیں اپنے آپ سے بیدار کرنا چاہتا ہے اور اسکی خواہش ہے کہ انہیں غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائے۔ (مذکورہ کتاب کے مقدمہ سے اقتباس)

روزنامہ نوائے وقت، لاہور

سائنس اور دولت کی فراوانی نے جہاں انسانیت کو بیشمار فوائد سے بہرہ ور کیا ہے وہاں اسکی کوکھ سے بے انتہا خرابیوں نے بھی جنم لیا ہے سب سے بڑی خرابی مادہ پرستی اور دین سے بیزاری کی شکل میں سامنے آئی ہے جس کے نتیجے میں مسلمان قوم بالخصوص نوجوان طبقہ اپنے اسلاف کے زریں کارناموں میں فوز و فلاح کی دولت تلاش کرنے کی بجائے غیروں کی ثقافت پر فخر کرتا ہے۔ ان حالات میں قابل تحسین ہیں وہ لوگ جو اپنے اسلاف کے غلامی نفوس طیبہ اور علماء و صوفیاء کے کارناموں کے انمول موتیوں کو اکٹھا کر کے ان کے نقل میں [illegible] بطور سوغات مسلم کو پیش کرتے ہیں۔

پیش نظر کتاب نفحات الخلود (اردو ترجمہ زندۂ جاوید خوشبوئیں) اسی سلسلے کی کڑی ہے

میں دمشق کے عظیم سکالر شیخ محمد صالح فرفور نے ترتیب دیا۔ صحابہ کرام کے مجاہدانہ عزائم
سلاطینِ اسلام کا عدل و انصاف، اکابر علمائے اسلام کی حق گوئی و بیباکی اور اسی طرح کے دیگر
اہم موضوعات سے متعلق واقعات سے بھرپور کتاب، ادب عربی کا حسین نمونہ ہونے کے ساتھ
ساتھ اصلاحِ امت کیلئے ایک نسخۂ کیمیا ہے۔

معروف سکالر علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کے حسنِ اردو اور عظیم ترجمے نے
کتاب کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

روزنامہ پاکستان (۲۳، دسمبر ۱۹۹۳)

اس کتاب کی کتابت بہترین، کمپوزنگ نہایت عمدہ، کاغذ بہترین، طباعت کا معیار نہایت اعلیٰ
ٹائٹل دیدہ زیب اور گیٹ اپ شاندار کیا گیا ساتھ بہترین گلدستے سے ترتیب دی جو ہر سکول، کالج، یونیورسٹی
دینی ادارے اور ہر صاحب ذوق کی لائبریری کی ضرورت ہے۔ پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ
اگر ہماری نوجوان نسل اس کتاب کو ایک بار پڑھ لے تو زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے۔

ماہنامہ ضیائے حرم (جنوری ۱۹۹۴ء)

زیرِ نظر کتاب علامہ سید محمد صالح فرفور کی عربی تصنیف "من نفحات الخلود" کا ترجمہ ہے۔
علامہ موصوف دمشق کے بہت بڑے عالمِ دین، مدرس اور مرجعِ خلائق شیخِ طریقت تھے۔ عمر بھر تبلیغ و اصلاح کا فریضہ
انتہائی جانفشانی اور تندہی سے انجام دیتے رہے۔

واعظین کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی گفتگو میں ان واقعات اور نکات سے فائدہ اٹھاسکیں۔ سکول و کالج
کے طلبہ کو یہ کتاب ضرور پڑھانی چاہیے تاکہ ابتداء ہی سے ان کے اذہان میں مثالی اسلامی شخصیات سے محبت پیدا ہو
اور اسلامی کردار کا ارفع نمونہ ان کے سامنے رہے۔

ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور (فروری ۱۹۹۴ء)

شام کے ایک صاحبِ علم و تقویٰ بزرگ سید محمد صالح فرفور رحمۃ اللہ علیہ نے "من نفحات الخلود" نامی کتاب تحریر فرمائی جس میں اسلاف کے وہ تابندہ
واقعات بڑے حسین پیرائے میں جمع کر دیے ہیں جن سے ایمان کی حرارت اور عشق کو جلا میسر آتی ہے۔ "زندۂ جاوید نقوش" میں
اسی شاندار کتاب کا رواں دواں ترجمہ ہے۔ ممتاز عالمِ دین علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے انتہائی عمدہ ترجمہ کیا ہے کہ اس پر
عمل کا گمان ہوتا ہے۔ آج کے اس بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کیلئے ایسی کتابیں شاملِ نصاب کرنی چاہئیں۔
یہ کتاب صرف طلباء و طالبات کیلئے ہی مفید نہیں بلکہ اس قابل ہے کہ ہر گھر کی زینت بنے۔

زندہ جاوید خوشبوئیں

اردو ترجمہ

"من نفحات الخلود"

طلبہ و طالبات اور خطباء کیلئے یکساں مفید

- تحریر: علامہ سید محمد صالح فرفور دمشقی
- ترجمہ: محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی
- تقریظ و تقدیم: علامہ سید ریاض حسین شاہ
- تخریج: ممتاز احمد سدیدی

- عظمتوں کے مینار اور گلشن رسالت کے مہکتے ہوئے پھول
- اسلاف امت کے جھلملاتے واقعات
- قیام عدل و ایمان عظمت کردار کی داستانیں

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری گیٹ، لاہور ۱۹۱